ماہنامہ **محدث** بنارس

www.mohaddis.org

سرپرست
عبداللہ سعود بن عبدالوحید

مدیر
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی

معاون مدیر
مولانا عبدالمتین مدنی

عدد مسلسل: ۳۹۰
جلد: ۳۴ ، شمارہ: ۶

رمضان ۱۴۳۷ھ = جون ۲۰۱۶ء

بدل اشتراک

- ہندوستان: **150** روپئے
- بیرون ممالک: **40** ڈالر
- فی شمارہ: **15** روپئے

اشتراک کے لیے ڈرافٹ مندرجہ ذیل نام سے بنوائیں

Name: **DAR-UT-TALEEF WAT-TARJAMA**
Bank: **ALLAHABAD BANK**
KAMACHHA, VARANASI
A/cNo.2**1044906358**
IFSC Code: ALLA0210547
SWIFT Code: ALLAINBBVAR

مراسلت کا پتہ
Darut Taleef Wat Tarjama
B.18/1-G, Reori Talab,
Varanasi - 221010

اس شمارہ میں

۱-درس قرآن	عبداللہ سعود بن عبدالوحید	۲
۲-درس حدیث	مولانا عبدالمتین مدنی	۴
۳-افتتاحیہ	معاون مدیر	۶
۴-روزہ کی حکمتیں اور اس کے مقاصد	ڈاکٹر عبدالرحمٰن بن عبدالعزیز السدیس	۹
۵-صالح معاشرہ کی تشکیل......	محمد اسلم مبارک پوری	۱۵
۶-خوف و امید کا اعتدال......	نسیم اختر عبدالمجید سلفی	۱۸
۷-الزام تراشی اسلام کی نظر میں	عبدالسلام صلاح الدین مدنی	۲۲
۸-زکاۃ کیا ہے؟	ابوطلحہ محمد ابراہیم سلفی	۲۶
۹-مثبت سوچ	عبدالرحیم محمد یونس بنارسی	۳۰
۱۰-مولانا ابوالطیب عبدالصمد...	محمد اسلم مبارک پوری	۳۶
۱۱-مفتی حرم ڈاکٹر وصی اللہ......	عبدالالہ رضوان محمد رضوان	۴۰
۱۲-اخبار جامعہ	ادارہ	۴۴
۱۳-عالم اسلام	ظل الرحمٰن سلفی	۴۵
۱۴-باب الفتاوی	دارالافتاء	۴۶

نوٹ : ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ البَصِيرُ (سورہ شوری:۱۱)

عبداللہ سعود بن عبدالوحید

کلمۂ "لا إلهَ إلا اللّٰه" میں الوہیت کو اللہ کی ذات کے ساتھ منحصر ومختص کر دیا گیا ہے، جس کا مفہوم ہوتا ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی ذات عبادت کے لائق نہیں ہے، معبود ہونے میں اللہ کی ذات یکتا اور بے مثل ہے۔

﴿فَاطِرُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ جَعَلَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجاً وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجاً يَذْرَؤُكُمْ فِيهِ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ البَصِيرُ﴾ (سورہ شوری:۱۱) آسمانوں اور زمین کا بنانے والا جس نے تمہاری اپنی جنس سے تمہارے لیے جوڑے بنائے، اسی طرح چوپایوں کے (ان کی جنس سے) جوڑے بنائے، اس طریقہ سے وہ تمہاری نسلیں پھیلاتا ہے۔ (کائنات کی) کوئی چیز اس کے مشابہ نہیں ہے اور وہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

اللہ تعالی کو کسی نے دیکھا نہیں ہے اور نہ اس تک پہنچنے کی کسی کے پاس کوئی رسائی ہے۔ اللہ کی ذات کیا ہے، اس کو کیا قدرت حاصل ہے، وہ کن کن صفات کا مالک ہے، وہ کہاں ہے؟ ان تمام باتوں کو معلوم کرنے کے لیے ہمارے پاس کوئی آلہ نہیں ہے اور نہ ہی انسان کی عقل وہاں تک پہنچ سکتی ہے۔ یہ سب غیب کی باتیں ہیں۔

اللہ تعالی کے وجود کے ثبوت کے لیے انسان کا وجود کافی ہے، اگر انسان اپنی خلقت پر غور کرے تو اپنے خالق پر ضرور ایمان لائے گا، اس کی نسل کو پھیلانے والا کون ہے، اسی طرح سے دیگر مخلوقات پر بھی غور کریں کہ ان کی افزائش کون کر رہا ہے۔

اللہ نے اپنے پیغمبر محمد ﷺ کو بذریعہ وحی غیب کی باتیں بتلائی ہیں۔ اور آپ ﷺ نے اللہ کی بتلائی ہوئی معلومات کو انسان تک پہنچایا۔ ہمارے پاس صرف یہی ایک ذریعہ ہے جس کے ذریعہ ہم اللہ کی ذات اور اس کی صفات کا علم حاصل کرتے ہیں، جس کو علم توقیفی کہتے ہیں، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے قرآن مجید اور اپنی احادیث کو ہی منبع رشد وہدایت بتایا کہ اسی منبع سے ہم اللہ کا بتایا ہوا صحیح دین پا سکتے ہیں۔

اللہ کے رسول محمد ﷺ بذات خود علیم وخبیر نہیں تھے، وہ ہمارے ہی جیسے بنی آدم کی اولاد سے ہیں اور بشر ہیں، آپ بھی مخلوق ہیں، اللہ نے آپ کو انسانیت کی رہنمائی کے لیے چن لیا اور خاتم الانبیاء ورحمۃ للعالمین بنایا، اور تمام بنی نوع انسان کا سردار بنایا، بنی نوع انسان میں پہلے کے تمام انبیاء کرام اور رسول شامل ہیں، اس طرح آپ ﷺ افضل البشر ہیں۔ ان تمام

خصوصیات کے ساتھ آپ انسان اور مخلوق ہیں، آپ کی ذات کو اللہ جل شانہ کا سہیم وشریک یا وزیر نہیں بنایا جاسکتا۔ اللہ کبریائی والی ذات ہے اور سب کا خالق ہے، اس کا کوئی ہمسر وشریک نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: "جاء رجل إلى النبي ﷺ فحدثه ببعض الكلام فقال: ما شاء الله وشئت فقال جعلتني لله عديلا؟ لا بل ما شاء الله وحده". (مصنف ابن ابی شیبۃ: ۲۶۶۹، ودیگر کتب حدیث)

صحابی رسول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور گفتگو کے دوران یہ جملہ کہا: "ما شاء الله وشئت" یعنی جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے تو مجھے اللہ کا برابر بنادیا، ایسا نہیں ہے بلکہ یہ کہو کہ جو اللہ وحدہ چاہے۔

میں مسجد نبوی کے صحن میں نماز کے انتظار میں بیٹھا تھا۔ دیوار پر اجلہ صحابہ کے نام لکھے ہوئے ہیں، ان میں اللہ کا نام بھی ہے، یعنی اللہ، محمد، ابوبکر، عمر، عثمان، علی، حسن وحسین وغیرہ وغیرہ۔ میرے دل میں یہ بات کھٹکی کہ دیکھو انسان اللہ کی ذات اور اس کی کبریائی کا خیال نہیں کرتا۔ خالق کے نام کو مخلوق کے ساتھ جوڑ کر ایک قطار میں لکھ دیتا ہے۔ صحابہ کرام ہوں، اہل بیت ہوں یا انبیاء کرام، کوئی اللہ کی ذات کے ساتھ ہمسر نہیں ہوسکتا۔ یہی توحید باری تعالی ہے۔ اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ (سورہ ذاریات: ۵۶) کہ ہم نے جن وانسانوں کو صرف اپنی بندگی کے لیے پیدا کیا ہے۔ اور ایک جگہ فرمایا: ﴿وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَداً﴾ (سورہ جن: ۱۸) کہ مسجدیں اللہ (کی عبادت) کے لیے ہیں اس لیے اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔

نبی کی اطاعت اور نبی سے محبت اس لیے ضروری ہے کہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ ہم کو بندگی اور عبادت صرف اپنے خالق کی کرنی ہے اور باقی تمام اطاعتیں اس کے حکم کے تابع ہیں۔ "لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق" (مصنف ابن ابی شیبۃ: ۳۳۷۱۷) آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ خالق کی نافرمانی ہوتی ہو تو ایسی صورت میں کسی مخلوق کی (چاہے وہ جو بھی شخصیت ہو) بات نہیں ماننا ہے۔ اللہ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں ہے۔

(جاری)

☆☆☆

درس حدیث

رب کریم کا بے پایاں کرم

مولانا عبدالمتین مدنی

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ وَالْجُمُعَةُ إِلَى الْجُمُعَةِ وَرَمَضَانُ إِلَى رَمَضَانَ مُكَفِّرَاتٌ لِمَا بَيْنَهُنَّ إِذَا اجْتُنِبَ الْكَبَائِرَ. (صحیح مسلم:۲۳۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ اللہ کے رسول نے فرمایا: ''پنج وقتہ نمازیں ایک جمعہ سے دوسرا جمعہ اور ایک رمضان سے دوسرا رمضان تک اپنے درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہے جب کبیرہ گناہوں سے بچا جائے''۔

انسان خطاونسیان کا پتلا ہے، وہ دانستہ ونادانستہ غلطیاں کرتا رہتا ہے، بعض غلطیاں بڑی ہوتی ہیں اور بعض چھوٹی، کبھی رب کی حدود کی خلاف ورزی ہوتی ہے تو کبھی بندوں کے حقوق کی پامالی، غلطی کر کے کبھی وہ سنبھلتا ہے اور کبھی غلطیوں پر غلطیاں کرتا چلا جاتا ہے، کبھی اسے ندامت ہوتی ہے اور کبھی نہیں بھی ہوتی۔ الغرض صادق ومصدوق علیہ السلام کا فرمان "كل بني آدم خطاء" اس پر صادق آتا رہتا ہے۔

لیکن دوسری جانب رب کریم کا کرم یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو گناہوں کے دلدل میں دیکھنا نہیں چاہتا، اس لیے مغفرت کے بے شمار مواقع ان کو فراہم کر رکھا ہے۔

مذکورہ بالا حدیث میں ایسے ہی چند مواقع ذکر کیے گئے ہیں۔

ہمارا رب کتنا رحیم وکریم ہے، پنج وقتہ نماز ہر مسلمان کو ادا کرنا ہے، نماز میں کوتاہی کرنے والا جمعہ تو ضرور پڑھ لیتا ہے اور رمضان کا روزہ شاید ہی کوئی بے توفیق چھوڑتا ہو، اب گناہوں سے مغفرت کے لیے ہمیں الگ سے کچھ کرنے کا پابند نہیں کیا بلکہ ہماری یہی نیکیاں ہمیں پاک وصاف اور صیقل کرتی چلی جاتی ہیں: ﴿إن الحسنات يذهبن السيئات، ذلك ذكرى للذاكرين﴾ (ہود:۱۱۴) یقیناً نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں، یہ نصیحت ہے نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے۔ اور فرمان نبوی ہے: "واتبع السيئة الحسنة تمحها" (سنن ترمذی، حدیث نمبر ۱۹۸۷) برائی کے بعد نیکی کرو، یہ برائی کو مٹا دے گی۔

یہ الگ بحث ہے کہ نماز وروزہ سے صرف صغائر معاف ہوتے ہیں یا کبیرہ گناہ بھی۔ اس حدیث سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان سے صرف صغائر معاف ہوتے ہیں اور کبائر توبہ یا رب کے فضل سے معاف ہوتے ہیں، البتہ صغائر کی معافی کے لیے کبائر سے بچنا ضروری یا شرط نہیں ہے جیسا کہ شارحین حدیث نے تحریر فرمایا ہے۔

اس حدیث پر دو پہلو سے اور بھی غور کرنا چاہیے، پہلی بات یہ ہے کہ توحید ورسالت کے اقرار کے بعد اسلام کے باقی چار ارکان ہیں نماز، روزہ، حج اور زکوۃ، آخر اس حدیث میں نماز اور روزہ کو ہی بطور کفارہ کیوں ذکر کیا گیا، کیا حج اور زکوۃ نہیں ہیں؟ بلاشبہ وہ بھی کفارہ ہیں جیسا کہ نصوص صحیحہ اس پر دلالت کرتی ہیں لیکن وہ اس کے لیے جو صاحب حیثیت واستطاعت ہوں اور اس فریضہ کو ادا کریں اور ہر مسلمان ایسا نہیں ہے، اس لیے اس حدیث میں ایسے اعمال کو بطور کفارہ ذکر کیا گیا جن کو ہر مسلمان کر سکتا ہے، چاہے وہ مالی اعتبار سے جس حیثیت کا بھی حامل ہو۔ یہ رب کریم کا کتنا بڑا فضل اس کے عام بندوں کے لیے ہے اس پر غور کریں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ایک نمازی روزانہ پانچ وقت کی نماز ادا کرتا ہے، پھر ہفتہ میں جمعہ پڑھتا ہے اور سال میں ایک بار رمضان کا روزہ رکھتا ہے، اگر گناہ پنج وقتہ نمازوں سے معاف ہو گئے تو پھر نماز جمعہ اور صوم رمضان کے کفارہ ہونے کا کیا مطلب، اس کا جواب شارح صحیح مسلم امام نووی اور شیخ الحدیث عبید اللہ رحمانی مبارک پوری یہ دیتے ہیں: فإذا تكرر يغفر بأولها الصغائر وبالبواقي يخفف عن الكبائر وإن لم يصادف صغيرة ولا كبيرة يرفع بها الدرجات. (مسلم مع النووی:۱/۱۲۱)

اگر وہ تمام کفارہ والے کاموں کو ایک کے بعد ایک بجالاتا ہے تو پہلے کفارہ والے کام سے صغیرہ گناہ معاف ہوں گے اور باقی سے کبیرہ گناہ میں تخفیف کر دی جائے گی اور اگر کسی صغیرہ یا کبیرہ کا ارتکاب ہی نہ ہو تو یہ اعمال درجات کی بلندی کا ذریعہ ہوں گے۔

یہ ایک عمدہ توجیہ ہے لیکن اگر اس کو دوسرے پہلو سے دیکھا جائے تو ایک عمل روز کیا جاتا ہے، ایک ہفتہ میں اور ایک سال میں کفارہ تو تینوں میں صغائر کے ہی سہی اور صغائر کے بھی درجات ہیں، بعض صغائر کو انسان کرتا ہے پھر چھوڑ دیتا ہے اور بعض صغائر ایسے بھی ہیں جن پر انسان اصرار کرتا ہے۔ اگر یہ کیا جائے کہ پنج وقتہ نمازیں کسی وجہ سے کسی گناہ کا کفارہ نہ بن سکیں تو آنے والا جمعہ یعنی اس کا کفارہ بن جائے گی اور اگر اس نماز سے بھی اس کے گناہ نہ دھلے تو رمضان کا روزہ یقیناً اسے گناہوں سے پاک وصاف کر دے گا۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے: "من صام رمضان إيمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه" (صحیح مسلم:۱۷۸۱) گویا رب کریم نے ہمیں یومیہ، ہفتہ واری اور سالانہ موقع فراہم کیا تا کہ کوئی نہ کوئی موقع بندہ کی مغفرت اور گناہوں سے معافی کا ذریعہ بن جائے۔

اور اس توجیہ کی روشنی میں رمضان کے روزوں کو بطور کفارہ پنج وقتہ نمازیں اور نماز جمعہ پر جو فضیلت حاصل ہے وہ واضح ہے۔ اللہ تعالی ہمیں اس ماہ مبارک کے برکات سے فیض یاب ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

☆☆☆

افتتاحیہ

برکتوں کا موسم بہار

معاون مدیر

نیکیوں اور برکتوں کی فصل بہار ماہ رمضان اپنی آمد کی دستک دے رہا ہے، نیکوکار سراپا اشتیاق ہیں اور گنہ گار بھی صبح نو کے منتظر ہیں، بچوں کی زباں پر اس ماہ مبارک کے چرچے ہیں۔ الغرض پورا ماحول رمضان کے نور ونکہت سے منور ومعطر ہونے کو بے قرار ہے۔

یہ ماہ مبارک بڑی خوبیوں کا حامل ہے۔ عام معمولات زندگی اس میں منظّم طریقے سے انجام پاتے ہیں۔ اس سے وقت کی بھی بچت ہوتی ہے۔ ذہن پر دباؤ کم رہتا ہے اور طاقت وقوت کا سرمایہ بھی کم خرچ ہوتا ہے۔

اس ماہ مبارک کی ایک خوبی سکون واطمینان ہے، اسے روزہ کی برکت کہیے کہ وہ اعضاء وجوارح کی حدت کو توڑ دیتا ہے، مزاج میں اعتدال آجاتا ہے، رفتار پر لگام لگ جاتی ہے، زبان بھی خاموشی اختیار کرنے میں ہی عافیت سمجھتی ہے۔ پھر یہی رنگ ہر چار سو نظر آنے لگتا ہے، گلی کوچہ، بازار مسجد ہر جگہ ایسا سکون طاری ہوجاتا ہے، گویا انسانوں کی یہ بستی فرشتوں کی بستی میں تبدیل ہوگئی ہو۔

حالت روزہ میں اگرچہ روزہ دار بھوکا پیاسا رہتا ہے اور بسا اوقات وہ اسے شدت سے محسوس بھی کرتا ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ رمضان کے مہینہ میں ایک اور بھوک میں اضافہ دیکھا جاتا ہے اور وہ نیکیوں کی بھوک ہے، نماز، روزہ، تلاوت، ذکر واذکار، صدقہ اور نماز تراویح میں لوگوں کی دلچسپی اس بات کی غماز ہے۔ کاش کہ یہ بھوک بنی رہے یہاں تک کہ ہم اپنے رب کی ضیافت سے شادکام ہوجائیں۔

اس ماہ مبارک میں سنگ دلی اور قساوت قلبی، رحمت ومروت سے آشنا ہوجاتی ہے۔ یہ روزہ کی برکت ہے کہ اس کی بھوک بھوکوں کا درد اور اس کی پیاس پیاسوں کے کرب کا احساس دلاتی ہے۔ پتھر سے چشمے پھوٹتے ہیں جو بندگان الٰہی کو سیراب کرتے ہیں۔

گنگا جمنی تہذیب کا مرکز شہر بنارس کا اس ماہ مبارک میں رنگ ہی نرالا ہے، مذہبی رواداری کی بڑی انوکھی مثالیں سامنے آتی ہیں، بعض غیر مسلم دوکانداروں میں رمضان کا احترام بلا کی حد تک ہے کیا عجب کہ وہ اور ان کی عورتیں روزہ بھی رکھتی ہوں۔

بعض دوکاندار پورے ماہ رمضان میں بڑے اہتمام سے اپنے مسلم بھائیوں کے افطار کا انتظام کرتے ہیں، یہ اہتمام ان کو ورثہ میں ملا ہے۔اسی طرح وہ ان مسلمانوں کے لین دین میں سہولت پیدا کردیتے ہیں جن سے ان کا کاروباری رشتہ ہوتا ہے۔

اچھی بات یہ ہے کہ ہماری حکومتیں اور شہر انتظامیہ بھی اس ماہ مبارک کی آمد کا اہتمام کرتی ہیں، پانی، بجلی اور صفائی کا مسلم محلوں میں خاص انتظام ہوتا ہے تاکہ روزہ داروں کو ان کے سلسلے میں دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

یہ سب خوش آئند اور حوصلہ دینے والی باتیں ہیں مگر دوسری طرف مایوس کن اور افسوسناک بات یہ ہے کہ عام مسلم معاشرہ میں جس ذوق وشوق کے ساتھ اس ماہ مبارک کا استقبال کیا جاتا تھا اب اس ذوق وشوق میں واضح طور پر کمی محسوس کی جاتی ہے۔شعبان کا مہینہ شروع ہونے کے ساتھ ہی رمضان کی آمد کا انتظار اور اس کے لیے تیاری شروع ہوجاتی تھی اور جیسے جیسے پندرہ شعبان گذرتا تھا تو اس کے بعد ایسا لگتا تھا کہ گویا کل سے ہی رمضان شروع ہونے والا ہے۔مسجدیں آباد ہوجاتیں اور گھروں میں خاص طور سے صفائی اور رنگ وروغن کیا جاتا۔بچوں کی چہل پہل بندھ جاتی۔کاروبار اور مختلف شعبوں سے جڑے ہوئے لوگ اپنے معمولات کو بدلتے اور اس ماہ کے استقبال میں اپنے غیر ضروری کاموں کو ملتوی کردیتے۔اسی بہانے تن پر کچھ اجلے کپڑے جامہ زیب کرتے جو اس بات کی علامت ہوتی کہ اب من بھی اندر سے اجلا ہونے کو ہے۔

لیکن اب سب کچھ بدل رہا ہے، اس مادی دنیا نے تو اس لحاظ سے ہمیں بڑے خسارے میں ڈال دیا ہے، اب ہم رمضان کا مہینہ بھی دیگر مہینوں کی طرح گذارنے کے عادی بن رہے ہیں، اس کی آمد سے ہمارے معمولات پر کوئی اثر ہی نہیں پڑتا، ہاں سونے جاگنے کا معمول ضرور بدل جاتا ہے، شروع کے چند دنوں میں ہم مسجدوں میں اپنی حاضری درج کرادیتے ہیں پھر دس روز گذرنے کے بعد بازار کا چکر لگانے اور عید کی تیاری میں جٹ جاتے ہیں۔اس طرح نیکیوں کے اس موسم کو ہم ناقدری کے ساتھ گذار دیتے ہیں، شاید اس بے راہ روی یا غفلت کی وجہ سے نیکیوں سے ہماری محبت کم ہوتی ہے اور بلاشبہ یہ بات ایمان کی کمزوری پر دلالت کرتی ہے۔

اگر نیکیوں سے ہماری محبت ہوتی تو پھر ہم اس ماہ مبارک کی اس طرح قدر کرتے جس طرح ہم نے اپنے آباء واجداد کو اس ماہ مبارک کی قدر کرتے ہوئے دیکھا ہے، اور ہم اس ماہ مبارک کے استقبال میں اسی طرح سراپا اشتیاق رہتے جس طرح وہ رہا کرتے تھے۔

ہمارا ظاہری عمل یہ بتلاتا ہے کہ ایمان بصورت نیک اعمال ہمیں محبوب وعزیز ہیں اور اس کی محبت ہمارے دلوں میں ہمارے رب نے جاگزیں فرمائی ہے، ہم بہرصورت اس زینت قلب کی حفاظت کریں گے اور اس میں تازگی وشادابی لانے

والے ہر موقع کو غنیمت جان کر اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔ ﴿وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ﴾ (حجرات: ۷) لیکن اللہ تعالی نے ایمان کو تمہارے لیے محبوب بنا دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں زینت دے رکھی ہے اور کفر کو اور گناہ کو اور نافرمانی کو تمہاری نگاہوں میں ناپسندیدہ بنا دیا ہے، یہی لوگ راہ یافتہ ہیں۔

لیکن افسوس کہ ہماری مادہ پرستی ہمیں صالحیت کی راہ سے دور لے جا رہی ہے، نیکیوں کے سلسلہ میں ہم بے پرواہ ہو رہے ہیں، ٹوٹی پھوٹی چند نیکیوں پر ہم تکیہ کیے بیٹھے ہیں، اگر نیکیاں کمانے کی دوڑ میں اترنے کی زحمت ہم نے نہیں اٹھائی تو پھر ان آیات کریمہ میں رب کریم کے جس فضل وکرم کا وعدہ ہے ہم اس کے حصہ دار کیسے بنیں گے:

﴿وَسَارِعُواْ إِلَى مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ، الَّذِينَ يُنفِقُونَ فِي السَّرَّاء وَالضَّرَّاء وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ، وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُواْ فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُواْ أَنفُسَهُمْ ذَكَرُواْ اللّهَ فَاسْتَغْفَرُواْ لِذُنُوبِهِمْ وَمَن يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلاَّ اللّهُ وَلَمْ يُصِرُّواْ عَلَى مَا فَعَلُواْ وَهُمْ يَعْلَمُونَ، أُوْلَئِكَ جَزَآؤُهُم مَّغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ﴾ (آل عمران: ۱۳۳-۱۳۶) اور اپنے رب کی بخشش کی طرف اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، جو پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ جو لوگ آسانی میں سختی کے موقع پر بھی اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں، غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں، اللہ تعالی ان نیک کاروں سے محبت کرتا ہے۔ جب ان سے کوئی ناشائستہ کام ہو جائے یا کوئی گناہ کر بیٹھیں تو فوراً اللہ کا ذکر اور اپنے گناہوں کے لیے استغفار کرتے ہیں، فی الواقع اللہ تعالی کے سوا اور کون گناہوں کو بخش سکتا ہے؟ اور وہ لوگ باوجود علم کے کسی برے کام پر اڑ نہیں جاتے۔ انہیں کا بدلہ ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، ان نیک کاموں کے کرنے والوں کا ثواب کیا ہی اچھا ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم رمضان المبارک کی اہمیت کو سمجھیں، اس کی قدر کریں اور دنیا کے سلسلہ میں اعتدال سے کام لیں، اس کو اتنی ہی اہمیت دیں جس اہمیت کی وہ مستحق ہے۔ اپنا سارا وقت، محنت اور توجہ اس پر صرف نہ کریں، ورنہ باقی رہنے والی دنیا میں صرف پچھتاوا ہمارے ہاتھ آئے گا۔

☆☆☆

روزہ کی حکمتیں اوراس کے مقاصد

خطبہ حرم بتاریخ: ۷/۹/۱۴۳۵ھ = ۴/۷/۲۰۱۴ء

خطبہ: عالی جناب ڈاکٹر عبدالرحمن بن عبدالعزیز السدیس
صدر اعلی رئاست عامہ برائے امور حرمین شریفین وامام وخطیب مسجد حرام

ترجمہ: ڈاکٹر عبدالمنان محمد شفیق
مدرس اُم القری یونیورسٹی، مکہ مکرمہ

پہلا خطبہ:

بلا شبہ ہر قسم کی تعریف اللہ کے لیے ہے، ہم اپنے رب کی تعریف کرتے ہیں، اسی سے مدد طلب کرتے ہیں، اسی سے استغفار کرتے ہیں اور اسی سے توبہ کرتے ہیں اور ہم ہر طرح کی خیر پر اس کی تعریف کرتے ہیں۔ ایک شاعر کہتا ہے:

الحمدُلله حمدًا زاكِيَ الأثرِ مُردَّد الذكرِ بالآصالِ والبُكَرِ

"ہم اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ تعریف کرتے ہیں جس کا اثر بہت عمدہ ہوتا ہے اور صبح وشام اسی کا ذکر دہراتے ہیں۔"

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں ہے، وہ تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے جس نے بھلائی کے مواسم اور اطاعت وبرکت کا مہینہ عطا کر کے ہمارے اوپر احسان کیا۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے نبی اور سردار محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، تمام نماز ادا کرنے والوں اور روزہ رکھنے والوں میں سب سے افضل وبہتر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو آپ پر، آپ کی آل واولاد پر، آپ کے ان صحابہ پر جو نشان راہ ہیں، تابعین پر اور ان سب پر جو ان کی رہتی دنیا تک پیروی کرنے والے ہیں۔

امابعد!

اللہ کے بندو! میں پہلے خود کو اور پھر آپ سب کو اللہ کے تقوی کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ خصوصاً آج کل ہم سب تقوی کے ایک بہت ہی بہترین وشاندار موسم سے گذر رہے ہیں، اور روزہ کا مقصد مومنوں میں خوف الٰہی اور تقوی پیدا کرنا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴾ "اے ایمان والو! تمہارے اوپر روزہ فرض کیا گیا جیسا کہ تم سے پہلے کی امتوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم متقی اور پرہیزگار بن جاؤ۔" (بقرہ: ۱۸۳)

ایک شاعر کہتا ہے:

فيـــا أيها الإنسـان بادِر إلى التُّقَى وسارِع إلى الخيراتِ مادُمتَ مُمهَلُ

فما أحسنَ التقوى وأهدَى سبيلَها بها يرفعُ الإنسانُ ماكان يعملُ

"لہذا اے انسان تو تقوی کی طرف سبقت کر اور جب تک تجھ کو مہلت ملی ہوئی ہے بھلائی کے کاموں میں جلدی کر۔تقوی کتنی اچھی چیز ہے اوراس کا راستہ کتنا واضح ہے،اس کے ذریعہ انسان کے عمل کا درجہ بڑھ جاتا ہے۔"

اے مسلمانو! زمانہ کی آمد ورفت اور دنوں کی گردش کے درمیان سے خیر وبرکت کا مہینہ رمضان نمودار ہوا، رمضان کا مبارک مہینہ آ گیا جس نے پوری دنیا کو اپنی روشنی سے منور کر دیا اور دلوں کو اپنے نور و جمال سے آباد کر دیا۔ایسا مہینہ جس میں اطاعتوں کی نہر بہتی ہے اور بھلائی و نیکی کی کلیوں سے اس کے پھول کھلتے ہیں۔مسلمان بہت ہی شوق سے اس کے مقاصد اور اسرار کو سنتے ہیں اور بہت ہی خشوع کے ساتھ اس کی حکمتوں اور مصالح کو سماعت کرتے ہیں۔ایک شاعر کہتا ہے:

هنيئًا يا بني الإسلام طُرًّا فقد وصل المبارُك بالعطاءِ

فحيُّوا شهرَكم بجميلِ صومٍ فكم فرِحَت قلوبٌ باللقاءِ

"اے ابنائے اسلام! تم سب کو خیر وبرکت والا مہینہ مبارک ہو جو بہت زیادہ عطیوں کے ساتھ سایہ فگن ہوا،لہذا اس ماہ کا بہترین روزہ کے ساتھ استقبال کرو اور دلوں کو اس ملاقات سے کتنی زیادہ خوشی ہوتی ہے۔"

اے مسلمانو! روزہ کے احکام اوراس کی حکمتوں کا جائزہ لینے سے ایک مسلمان کو اس بات کا پتہ چل جاتا ہے کہ روزہ کی فرضیت کے پیچھے بہت سارے عظیم مقاصد اور کئی بڑی حکمتیں پوشیدہ ہیں جس کے ذریعہ ایک مسلمان اپنی عبادت گذاری کی عادت کی تجدید کرتا ہے اور عمدہ معمولات کی طرف لوٹ آتا ہے،جس کے نتیجہ میں اس کے ایمان کے درجات میں ترقی ہوتی ہے،اور وہ نیکی واحسان کرنے والوں کے اوصاف سے رنگ جاتا ہے کیونکہ ہماری باحکمت شریعت نے صرف روزہ کے مظاہر اوراس کی شکلوں پر انحصار نہیں کیا ہے کہ صرف حلال اور پاکیزہ چیزوں کے کھانے پر پابندی لگادی بلکہ اس کا مقصد روح کی بلندی،نفس کی ترقی اوراس کی حفاظت اوراعضاء وجوارح کی پاکیزگی اوراسی طرح انسانی نفس کو مادیت کی پستی سے نکال کر روحانی بلندی اور ایمانی واخلاقی اونچائی تک لے جانا ہے۔روزہ کو اسی لیے فرض کیا گیا ہے تاکہ وہ مصلحتوں کو بروئے کار لائے اوراس کی تکمیل کرے،خرابیوں کو کم کرے اوراس کو ختم کر دے۔اسی طرح اس سے انسان کی پانچوں بنیادی ضرورتیں وجود و عدم کے اعتبار سے پوری ہوتی ہیں، نیز اس میں آسانی ہے اور تنگی کو دور کیا گیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس عظیم مقصد کا بیان روزہ والی آیتوں کے ضمن میں ہوا ہے۔اسی طرح اللہ تعالی نے اس عبادت کو بقیہ تمام عبادات میں سے اپنے ساتھ خاص کیا ہے، کیونکہ اس نے اس کی نسبت اپنی طرف کی ہے جیسا کہ بخاری ومسلم کی ایک روایت میں ہے:"**كل عملِ ابنِ آدمَ له إلا الصوم؛ فإنه لي وأنا أجزِي به**" کہ ابن آدم کا ہر عمل اس کے لیے ہے مگر روزہ وہ صرف میرے لیے ہے اور میں ہی اس

کا بدلہ دوں گا اور تمہارے فضل وشرف کے لیے بس یہی کافی ہے۔

علامہ امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: روزہ پرہیزگاروں کی لگام ہے، جنگجوؤں کی ڈھال ہے اور نیکوں ومقربین کی ورزش ہے۔ تمام اعمال میں سے وہ اللہ تعالی کے لیے ہے اور وہ بندہ اور اس کے رب کے درمیان راز ہے جس کے بارے میں اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ عقل سلیم اور فطرت سلیمہ روزہ کے فوائد کی شہادت دیتی ہے، اسی لیے اللہ تعالی نے اپنے بندوں پر بطور رحمت واحسان اور بطور ڈھال وبچاؤ کے اسے فرض کیا ہے''۔

علامہ امام کمال ابن ہمام رحمہ اللہ کا روزہ کے مقاصد کے بارے میں کہنا ہے کہ روزہ برائی کا بہت زیادہ حکم دینے والے نفس کو لگام لگاتا ہے اور تمام اعضائے انسانی میں اس کی زائد تیزی کو توڑتا ہے۔

اسلامی بھائیو! روزہ کا سب سے بڑا مقصد دین کی حفاظت اور انسان کے اندر تقوی پیدا کرنا ہے جو روزہ کی مشروعیت کا سب سے عظیم مقصد ہے۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے (**لعلکم تتقون**) یعنی تم لوگ تقوی والے بن جاؤ کی تفسیر میں فرمایا ہے یعنی روزہ کے ذریعہ کیونکہ روزہ تقوی سے جوڑتا ہے اس طرح سے کہ اس کے ذریعہ نفس پر غلبہ اور خواہشات پر قابو پایا جاتا ہے۔

اسی طرح روزہ کے فوائد میں عبادتوں کی حفاظت، قرآن کی تلاوت، ذکر واذکار، دعا اور اعتکاف بھی شامل ہے، نیز روزہ کے مقاصد میں نفس کی حفاظت اور اس کو خواہشات نفسانی سے محفوظ رکھنا اور اس کو اطاعتوں اور ثواب والے کاموں میں دوبارہ لگانا ہے۔ اسی طرح روزہ کا ایک اہم مقصد شیطان کی رگوں کو تنگ کر کے اور اس کی تیزی وحدت کو توڑ کر عقل کی حفاظت اور اس کی سرکشی پر بریک لگانا ہے، نیز خرافات، اوہام اور وسوسوں کا خاتمہ بھی روزہ کا ایک اہم مقصد ہے، اسی طرح روزہ کے مقاصد میں سے غیبت، چغلی اور بہتان سے دور رہ کر عزت وناموس کی حفاظت کرنا بھی ہے۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''**من لم يدَع قولَ الزورِ والعملَ به فليس لله حاجةٌ في أن يدَع طعامَه وشرابَه**'' جس نے جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہیں چھوڑا تو اللہ تعالی کو اس بات کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ وہ اپنا کھانا اور پانی چھوڑ دے۔''

اسی طرح روزہ کا ایک اہم مقصد مال کی حفاظت ہے، اور وہ اس طرح کہ مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے، اس میں فضول خرچی نہ کی جائے۔ اور محتاجوں، مسکینوں اور مصیبت زدگان کے ساتھ احسان کیا جائے۔ ایک شاعر کی زبان میں:

إن الصيامَ مُواساةٌ وإحسانُ قضَى بذلك قرآنٌ وبُرهانُ

نِعمَ الصيام مع المعروفِ تبذُلُهُ وليس فيه مع الحِرمانِ حِرمانُ

”یقینا روزہ ہمدردی، غم خواری اور احسان ہے۔قرآن اور دلیل کا یہی فیصلہ ہے۔نیکی و احسان کے اعمال کے ساتھ روزہ مزید اچھا و بہتر ہوجاتا ہے۔اوراس میں یہ محرومی کوئی محرومی نہیں ہے۔“

اے توحید والی امت! جان لو کہ روزہ کے فوائد اور اس کے مقاصد صرف اور صرف نبی کریم ﷺ کی ہدایت کی اتباع سے حاصل ہوں گے۔

امام ماوردی رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو سخاوت اور بخشش کا اتنا بلند حصہ ملا تھا کہ آپ نے اپنے پاس موجود ہر چیز کو بخش دیا اور ہر مطلوب ومحبوب چیز پر ترجیح دیا۔ایک شاعر کے الفاظ میں:

یا صائمًا ترکَ الذنوبَ تعفُّفًا   أضحَی رفیقَ الصبرِ واللّأواءِ

أبشِر بعیدِك في القیامةِ رحمةً   محفوفةً بالبرِّ والأنداءِ

”اے روزہ دار جس نے کہ گناہوں کو از راہ عفت و پاک دامنی چھوڑ دیا تو صبر اور مشقت کا یار بن گیا۔تو خوش ہوجا قیامت کے دن تیری عید ایسی رحمت کی شکل میں ہوگی جو کہ نیکی اور سخاوت سے بھرپور ہوگی۔“

اللہ کے بندو! سنو! اللہ سے ڈرو اور قولی وعملی دونوں طرح سے روزہ کے مقاصد کو پورا کرو، آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرو، درگزر سے کام لو، ایک دوسرے کو معاف کردو، آپس میں صلح کرلو، کیونکہ رمضان ایک سنہری موقع ہے ان بلند معانی کو محسوس کرنے اور سمجھنے کے لیے جو سارے دین حنیف کا مقصد ہے، اور اس عظیم مشن کو انجام دینے میں گھر، خاندان, مسجد، اسکول، سوسائٹی، ذرائع ابلاغ اور جدید سماجی ویب سائٹس سب مل جاتے اور اکٹھا ہوجاتے ہیں۔اس کا بدلہ صرف اور صرف جنت میں کھلی ہوئی وہ اونچی منزلیں ہیں جہاں کہ روزہ دار ریان دروازہ سے داخل ہوگا، پس روزہ داروں کے لیے کتنی بڑی خوش خبری ہے اور رات میں قیام کرنے والوں کے لیے کتنی عظیم بشارت ہے۔اللہ تعالی کا ارشاد ہے:﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيَ أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ اللّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلاَ يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُواْ الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُواْ اللّهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴾ یعنی رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا جو لوگوں کے لیے سراسر ہدایت ہے اور جس میں ہدایت کی اور حق وباطل کی تمیز کی نشانیاں ہیں، لہذا اب سے جو شخص اس مہینہ کو پائے اس کو لازم ہے کہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے اور جو کوئی مریض ہو یا سفر میں ہو تو وہ دوسرے دنوں میں روزوں کی تعداد پوری کرے، اللہ کا ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے، سختی کا نہیں ہے۔وہ چاہتا ہے کہ تم گنتی پوری کرلو، اور جس ہدایت سے اللہ نے تم کو سرفراز کیا ہے اس پر اللہ کی کبریائی کا اظہار و اعتراف کرو اور شکر گزار

بنو۔(البقرۃ:۱۸۵)

اللہ تعالی میرے اور آپ سب کے لیے کتاب وسنت کو بابرکت بنائے اوران دونوں میں موجود نشانیوں اور حکمتوں کو میرے اور آپ سب کے لیے نفع بخش بنائے، میں یہ بات کہتا ہوں اور میں اپنے لیے، آپ سب کے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے ہر گناہ اور غلطی کی اللہ عظیم وجلیل سے مغفرت طلب کرتا ہوں، لہذا تم سب بھی اسی سے مغفرت طلب کرو، اسی سے توبہ کرو یقیناوہ توبہ کرنے والوں کو بخشنے والا ہے۔

دوسرا خطبہ:

ہر طرح کی تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے روزہ کو ڈھال اور جنت میں لے جانے کا وسیلہ وذریعہ بنایا، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے، وہ انسانوں اور جناتوں کا معبود ہے، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے نبی محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، جو سب سے بڑی رحمت اور سب سے بیش بہا احسان ہیں۔ اللہ تعالی کی رحمت وبرکت ہو آپ پر، آپ کی آل واولاد پر، آپ کے صحابیوں پر جو قرآن کی طرف دعوت دینے والے اور سنت کے محافظ ہیں، تابعین پر اور جو بھی حق کے ساتھ قیامت کے دن تک ان کی اتباع کرے ان سب پر رحمت ہو۔

اما بعد: اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو اور رحمت، مغفرت اور احسان کے اس مہینہ میں زیادہ سے زیادہ نیک کام کرو، قبولیت کی امید بھی زیادہ رکھو اور اس کے بعد برابر اللہ کا شکر بھی کرتے رہو کیونکہ اس سے اس کی رضامندی حاصل ہوگی اور نعمتیں ملیں گی۔

اے پیارے مسلمان بھائیو! یہ روزہ کے مقاصد اور اس کے اسرار کے چند موتی ہیں۔ آج اس دور میں امت اسلامیہ شدید حاجت مند ہے کہ وہ روزہ کے فوائد اور اس کے مقاصد سے فائدہ اٹھائے۔ اس عظیم مہینہ میں نبی کریم ﷺ کی اقتداء کرے۔ آپ کے درست راستہ پر چلے۔ اللہ کی مضبوط رسی کو مضبوطی سے پکڑے، اس کی شریعت کو اپنا فیصل بنائے، اس کی خوبیوں کو اجاگر کرے، اسلام کے اصولوں کی طرف سے مدافعت کرے، اور شریعت کے محکمات ومسلمات یعنی ٹھوس، مضبوط اور تسلیم شدہ اصولوں پر جمع ہوجائے۔

امت مسلمہ! روزہ اور تراویح کی امت! آج رنج وغم مسلمانوں کے دلوں پر چھایا ہوا ہے حالانکہ وہ رمضان کی مبارک راتوں اور دنوں سے گذر رہے ہیں کیونکہ وہ دیکھ رہے ہیں کہ بہت سارے مسلمان ملکوں میں خونریزی، خانہ جنگی اور جماعتی و گروہی کشمکش جاری ہے۔ اسی طرح بابرکت زمین فلسطین، اقصی اور ملک شام میں ظلم وزیادتی اور مامون لوگوں کو خوفزدہ کرنے

کا سلسلہ بدستور جاری ہے۔اسی لیے دعوت دی جاتی ہے کہ ان مسئلوں کو حل کیا جائے، جھگڑوں کو ختم کیا جائے، مسلمانوں کے خون کی حفاظت کی جائے اور باغیوں وظالموں کو دنیا میں ہر جگہ دین کی وجہ سے ہمارے مظلوم بھائیوں پر زیادتی وسرکشی میں جاری رکھنے سے روکا جائے ۔

سنو! اس روئے زمین پر مشرق ومغرب میں آباد تمام مسلمانوں کو یہ عظیم موسم مبارک ہو اور اس معزز ومحترم مہینہ کی نعمت کی بشارت ہو، ان کو چاہئے کہ اس مہینہ میں آپسی درگذر، گفت وشنید، معافی، اعتدال، باہمی مہربانی اور تعاون، نیز دنیا سے تشدد اور دہشت گردی کو مٹانے کے لیے کام کریں کیونکہ ممکن ہے کہ اللہ کے فضل وکرم اور اس کے احسان سے ان کا یہ عمل امت اسلامیہ کی وحدت کو اور مضبوط کرنے والا ہو، امن واستحکام کے ستونوں کو اور پائیدار کرنے والا ثابت ہو۔اس مبارک ملک کے لیے جو حرمین شریفین کا ملک ہے، جو اپنے عقیدہ اور اپنے مکینوں کے آپسی اتحاد اور اتفاق، اور حکمراں اور اس کی رعایا کے درمیان آپسی وحدت وربط کی وجہ سے طاقتور ہے، جس کی وجہ سے اس کے سامنے اللہ کے حکم سے حاقدین وحاسدین کے تیرنا کام ثابت ہوتے ہیں، اور جس کی وجہ سے فتنہ وحسد کی طرف بلانے والوں کی بولیاں شکست کھا جاتی ہیں۔ بلاشبہ توحید اور وحدت کا یہ وطن محفوظ رہے گا اور اس کی طاقتوں واملاک کی حفاظت ہوگی۔فرمان الٰہی ہے:﴿ وَاللهُ غَالِبٌ عَلَى أَمْرِهِ وَلَـكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لاَ يَعْلَمُونَ ﴾"اور اللہ اپنے امر پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں۔ "(یوسف:۲۱)

اور اب سب سے افضل روزہ دار اور سب سے محترم قیام والے نبی رحمت اور ہدایت پر درود وسلام بھیجو جیسا کہ اس کا حکم تمہارے رب نے دیا ہے، جو کہ سارے جہانوں کا رب ہے۔اس کا فرمان ہے اور وہ سب سے سچا فرمانے والا ہے کہ: ﴿ إِنَّ اللهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾"بلاشبہ اللہ اور اس کے فرشتے نبی کریم پر رحمت بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی اس پر درود وسلام بھیجو۔"

ایک عربی شاعر کی زبان میں:

يا أيها الراجُون خيرَ شفاعةٍ	من أحمدٍ صلُّوا عليه وسلِّموا
صلَّى وسلَّم ذو الجلالِ عليه	ما صـامَ عبـدٌ أو تهجَّدَ مُسلِمُ

اے احمد (ﷺ) سے بہترین شفاعت کی امید رکھنے والو! ان پر درود وسلام بھیجو۔اللہ تعالی کی ان پر سلام ورحمت ہو جب تک کوئی بندہ روزہ رکھے یا کوئی مسلمان تہجد کی نماز پڑھے۔

✦✦✦

صالح معاشرہ کی تشکیل میں ائمہ کا کردار

محمد اسلم مبارک پوری

ہم اور آپ جس دور سے گزر رہے ہیں بہت ہی پر آشوب اور پر فتن دور ہے۔ اس میں انسانی قدریں پامال ہو چکی ہیں۔ ہر طرف بربریت اور سفاکیت ہے، ظلم وتعدی ہے، بے ایمانی ہے، نہ چھوٹوں پر شفقت ہے اور نہ ہی بڑے بزرگوں کا احترام۔ مفاد پرستی اور خود غرضی نے سماجی اقدار کو کھوکھلا کر دیا ہے۔ مسلم سماج جو کہ ایک مثالی معاشرہ ہے اس کی بنیادیں ٹھوس اور مستحکم تعلیمات پر مبنی ہیں، وہ بھی اس مسموم لہر سے محفوظ نہ رہ سکا۔

دراصل اسلامی معاشرہ ایک نظریاتی وعملی معاشرہ ہے۔ اس معاشرہ میں رہنے والے مسلمان ایک نظام حیات کے پابند ہیں جو کتاب وسنت کی اساس پر مبنی ہے، اس میں اونچ نیچ اور ذات پات کا کوئی امتیاز نہیں ہے، سب ایک کنبہ کی طرح رہتے ہیں، ایک دوسرے کے خیر خواہ اور مددگار رہوتے ہیں، آپسی تعاون سے کاروان حیات کو آگے بڑھاتے ہیں۔

جب تک ہمارا معاشرہ اسلامی اقدار پر گامزن تھا۔ غیر قوموں کی مشابہت سے پاک تھا، صالح اور مثالی معاشرہ تھا، ایک دوسرے کی مدد اور نصرت کا جذبہ تھا، مفاد پرستی اور خود غرضی سے دور تھا، جیسے جیسے رسالت کی کرنوں سے دور ہوتا گیا شر وفساد نے اس کی خوبصورتی پر قدغن لگا دیا۔ فی زماننا حالت یہ ہے کہ برائیوں کی آماج گاہ بنا ہوا ہے، نت نئے باطل افکار ونظریات کا حامل بنا ہوا ہے، ان نظریات نے جہاں مسلمانوں کو شک کے دائرے میں لا کھڑا کر دیا ہے وہیں اسلام کے مصفی ومجلی چہرے کو داغ دار کر دیا ہے اور اس کی سمعت وشہرت پر گہن لگا دیا ہے، ایسے حالات میں جہاں اصلاح معاشرہ کی ذمہ داری ہر ایک کے کندھے پر ہے تو وہیں مسجد ومحراب کے اماموں کو طاق نسیاں نہیں کیا جا سکتا ہے بلکہ ان کی ذمہ داری زیادہ اہم ہے اس لیے کہ پنج وقتہ نمازوں میں سماج کے ہر طبقہ کے لوگ حاضر ہوتے ہیں، ان سے تبادلۂ خیال اور تفاہم کے مواقع میسر ہوتے ہیں، قومی دینی اور علمی مسائل میں گفتگو ہو سکتی ہے، اگر ہم تاریخ پر نگاہ ڈالیں تو ہمیں مساجد وائمہ کا کردار اصلاح معاشرہ میں بہت واضح نظر آئے گا۔

اسلام میں مساجد ہمیشہ انقلابی تحریک کا گہوارہ رہی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے جب مکہ سے ہجرت کی اور مدینہ تشریف لائے تو سب سے پہلے مسجد کی بنیاد ڈالی، ذکر الٰہی اور عبادت کے ساتھ درس وتدریس اور واعظ وتبلیغ کا سلسلہ جاری کیا، یہ ایک طرف اصحاب صفہ کا دار الاقامہ تو دوسری طرف ازواج مطہرات کے مساکن اور سرکاری مہمانوں اور وفود کی قیام گاہ تھی، ایک طرف غزوات وسرایا کا مرکز تو دوسری طرف دار القضاء اور اسلامی ریاست کے سربراہان کا سکریٹریٹ تھی، غنائم، فے اور دیگر اموال کی تقسیم کی جگہ تو ہنگامی حالات کے لیے اجتماع گاہ تھی۔ الغرض مساجد مہتم بالشان عبادت نماز کی ادائیگی کے ساتھ تعلیم وتعلم، افتاء وقضا، رفاہی وقومی مسائل پر تبادلۂ خیال کی جگہ تھی، علاوہ ازیں باہمی میل جول جان پہچان اور حال واحوال کی آگہی

کا ذریعہ بھی، اس لیے اسلامی معاشرہ کی تعمیر میں مساجد کا مقام نمایاں ہے۔ مسجد دنیا میں اللہ تعالی کا گھر ہے، یہ زمین کے مبارک اور پاکیزہ ترین ٹکڑے ہیں، اس میں مومن کو جلا ملتی ہے، وہاں فرشتے اترتے ہیں، رحمتوں کا نزول ہوتا ہے، سکون واطمینان کی بارش ہوتی ہے اور میراث نبوی کی تقسیم اور علم وحی کی درس گاہ لگتی ہے۔

ان چیزوں کو اپنے ذہن میں رکھیے اور غور کیجئے کہ کیا ہماری زندگی میں مساجد کا یہ کردار باقی ہے کیا ہماری زندگی مساجد کی اردگرد گھومتی ہے یا اس سے الگ نظر آتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب ہم نے مساجد کو ان تمام سرگرمیوں اور نشاطات سے دور رکھا تو ہمارے معاشرہ سے تقوی اور صالحیت مفقود ہوگئی۔ ہم نماز پڑھتے ہیں مگر بے حیائی کم نہیں ہوتی، مسجدوں میں دینی پروگرام ہوتے ہیں مگر معاشرہ کی اصلاح نہیں ہوتی۔ آخر کیوں؟ ضرور کہیں کھوٹ ہے، ہماری فکر کیا ہے؟ ہمارا عمل کیسا ہے؟ ہمارے اخلاص کا کیا حال ہے؟ ہمارا طریقۂ کار کیا ہے؟ ہمارے علماء اور ہمارے ائمہ مساجد کیسے ہیں؟

جس طرح اسلام میں مساجد کی بڑی اہمیت وفضیلت ہے اسی طرح ائمہ مساجد کی اہمیت بھی ہے۔ شاید آپ کے ذہن میں یہ سوال گردش کررہا ہو کہ وہ کون سا امام ہے جس کی نصوص شرعیہ میں بڑی اہمیت وفضیلت ہے۔

سنئے اور انشراح صدر کے ساتھ سنئے! یہ وہ امام ہے جو اسلامی شریعت کا پابند ہو، شرعی قوانین کا متبع ہو، نہ کہ متولیان مساجد کے خودساختہ قوانین کا جو چند روپیوں کے مشاہرہ کے عوض اماموں کو نچاتے رہتے ہیں ان پر حکمرانی کرتے ہیں اور نہ صرف ان کی عزت وناموس سے کھلواڑ کرتے ہیں بلکہ اپنے خودساختہ قوانین کی آڑ میں کتاب وسنت کے واضح فرامین کی دھجیاں اڑاتے ہیں اور اپنے حکم وایماء کو پتھر کی لکیر کی مانند ابدی قانون تصور کرتے ہیں۔

شریعت اسلامیہ نے امامت کا معیار یہ مقرر کیا ہے کہ وہ قوم کا افضل ترین فرد ہو۔ شارع نے مال ودولت، خاندان وقبیلہ کے بجائے زیادہ قرآن پڑھنے والے کو مقرر کیا ہے۔ صحیح مسلم (۶۷۳) میں ہے: "يؤم القوم أقرؤهم لكتاب الله" لوگوں کا امام ایسا آدمی ہو جو قرآن مجید زیادہ پڑھنے والا ہو۔

بلاشبہ امامت ایک عظیم الشان اور مقدس عہدہ ہے جسے یہ نصیب ہوجائے وہ نہایت خوش بخت انسان ہوتا ہے، اسے ''امام'' جیسے مبارک خطاب سے موسوم کیا جاتا ہے، امامت أمّ یؤم کا مصدر ہے، تقدم کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ امام اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ ایک آدمی کی حیثیت سے نمازیوں کے آگے کھڑا ہوتا ہے تاکہ نماز میں لوگ اس کی پیروی اور اقتداء کرسکیں، اس کلمے کا تقاضا یہ ہے کہ جس طرح نماز جیسے دینی کام میں اسے آگے بڑھایا جاتا ہے اور اس کی اقتداء کی جاتی ہے اسی طرح اصلاح معاشرہ میں بھی اسے تقدم کا حق حاصل ہے اور اس کے صالح مشوروں اور اچھے افکار کی اقتداء ضروری ہے، جب تک ہمارے قلوب واذہان میں اماموں کی اہمیت وفضیلت راسخ نہ ہوگی تب تک اس کی اقتداء اور شرعی امور میں اس کی اطاعت کا جذبہ پیدا نہ ہوگا۔ واضح ہو کہ امام کی قدر ومنزلت اس کے قول وکردار کی راستی سے مشروط ہے، اگر کسی امام کے بارے میں یہ شبہ پیدا ہوجائے کہ اس کے قول وکردار میں بعدالمشرقین کا فرق ہے تو یہ ''امام سوء'' ہے، ایسے امام سے لوگ متنفر

ہوجاتے ہیں، معاشرہ کی اصلاح کے بجائے مزید انتشار پیدا ہوجاتا ہے اور اس کی قدر ومنزلت پیوند خاک ہوجاتی ہے۔

جن وسائل کے ذریعہ ائمہ حضرات معاشرہ کی اصلاح ودرستگی میں کردار ادا کرسکتے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

(۱) خطبۂ جمعہ کے ذریعہ۔

(۲) دعوتی دروس اور خطابات کے ذریعہ۔

(۳) تعلیم اور دروس میں فکری نکھار اور علمی رسوخ کے ذریعہ۔

(۴) تحریر ومضامین کے ذریعہ۔

(۵) مذاکرات اور مباحثات کے ذریعہ۔

(۶) قومی اور بین الاقوامی سیمیناروں میں شرکت کے ذریعہ۔

(۷) جدید ذرائع ابلاغ میں مثبت اور سنجیدہ فکر وتحریر کے ذریعہ۔

(۸) سلیم الطبع اور اچھی فکر کے حامل علماء اور دانشوران کے ساتھ عملی وقولی تعاون کے ذریعہ۔

(۹) اصلاح معاشرہ کے لیے پائی جانے والی تنظیموں کے ساتھ خوشگوار تعامل کے ذریعہ۔

عصر حاضر کے تناظر میں قوم وملت کے تئیں ائمہ مساجد کی ذمہ داری یہ بھی ہے:

(۱) قومی یکجہتی اور ہم آہنگی کو فروغ دیں اور ملک کی سالمیت کو نقصان پہنچانے والی سرگرمیوں کا سد باب کریں، اس میں ملک کی سلامتی کے ساتھ ہمارے معاشرہ کی سلامتی بھی مضمر ہے۔

(۲) باطل تحریکوں کی ہم نوائی نہ کریں اور ان تحریکوں کو قلع قمع کرنے کی کوشش کریں جو اسلام کے نام پر پائی جاتی ہیں جن کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں۔ گاہے گاہے ان نام نہاد جماعتوں اور تنظیموں کے شر سے بچنے کے لیے پروگرام کریں اور اپنی مسجد سے جڑے مصلیوں کو ملک دشمن تنظیموں کے شر وفساد سے آگاہ کرتے رہیں تاکہ کوئی بھی فرد ان کا آلہ کار نہ بنے۔

(۳) مساجد کے زیر اہتمام تعلیمی ورفاہی خدمات کا سلسلہ قائم کیا جائے اور بارش کے قطرات کی طرح بلا تفریق وملت، ذات وپات سب کے لیے ان کا فیض عام ہو۔

(۴) نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ جملہ انبیاء بالخصوص اولوالعزم پیغمبروں کے حالات زندگی، اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی زندگی کے صحیح اور اچھے واقعات کو جو اصلاح معاشرہ میں معاون ہو، تسلسل کے ساتھ اپنے خطاب کا موضوع بنایا جائے اور قلمبند کرکے غیر حاضر افراد تک پہنچایا جائے۔ امید ہے کہ ان عوامل اور ذمہ داریوں کے ذریعہ معاشرہ صالح اور مثالی بنے گا جہاں امن وسکون کے رنگ برنگ پھول ہوں گے۔ قومی یکجہتی اور ہم آہنگی ہوگی نہ تعصب ہوگا نہ عدم رواداری ہوگی بلکہ فرقہ واریت کا خاتمہ ہوگا۔

☆☆☆

خوف وامید کا اعتدال ایمان مسلم کا معیار

نسیم اختر عبدالمجید سلفی
استاذ مدرسہ احمدیہ سلفیہ، آرہ، بہار

اللہ رب العالمین کے اسماء حسنی میں جہاں ایک نام غفور ورحیم ہے، وہاں عزیز، جبار اور قہار بھی ہے، مگر عجیب بات ہے کہ لوگ صرف ایک پہلو کو لے کر دوسرے کو یکسر نظر انداز کرتے ہیں، پھر یا تو بدگمان ہوجاتے ہیں یا نری خوش فہمی میں مبتلا رہتے ہیں، جب کہ اللہ سبحانہ وتعالی نے ایک نہیں دسیوں جگہ اس حقیقت کا اعادہ کیا ہے کہ رب کی ذات جہاں صفت رحمت ومغفرت سے متصف ہے وہیں صفت جباریت وقہاریت سے بھی متصف ہے، کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

غافل غضب سے ہوکر کرم پر نہ رکھ نگاہ پُر ہے شرار برق سے دامن سحاب کا

بطور مثال چند آیات درج کی جاتی ہیں:

﴿نَبِّئْ عِبَادِيْ أَنِّيْ أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيْمُ، وَ أَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيْمَ﴾ (الحجر:۴۹-۵۰)

میرے بندوں کو بتلا دیجیے کہ میں بڑا معاف کرنے والا نہایت مہربان ہوں، اور میرا عذاب دردناک عذاب ہے۔

﴿إِنَّ اللّهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ﴾ (ابراہیم:۴۷)

بیشک اللہ غالب بدلہ لینے والا ہے۔

﴿ذَلِكَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ﴾ (السجدۃ:۶)

وہی ہے چھپے کھلے کا جاننے والا، زبردست غالب بہت ہی مہربان۔

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفاً وَطَمَعاً وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيُحْيِيْ بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ (الروم:۲۴)

اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ تمھیں ڈرانے اور امیدوار بنانے کے لیے بجلیاں دکھاتا ہے اور آسمان سے بارش برساتا ہے اور اس سے مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے۔

﴿كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كُلِّهَا فَأَخَذْنَاهُمْ أَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ﴾ (القمر:۴۲)

انھوں نے ہماری تمام نشانیاں جھٹلائیں، پس ہم نے انھیں بڑے غالب قوی پکڑنے والے کی طرح پکڑ لیا۔

﴿وَلاَ تُفْسِدُواْ فِيْ الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلاَحِهَا وَادْعُوهُ خَوْفاً وَطَمَعاً إِنَّ رَحْمَتَ اللّهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (الاعراف:۵۶)

﴿إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَباً وَرَهَباً﴾ (الانبیاء:۹۰)

مذکورہ آیات سے معلوم ہوا کہ بندوں کو اللہ سے ڈرنا بھی چاہیے اور اس سے امید بھی رکھنا چاہیے اور سچا اور قابل تعریف خوف اسے کہتے ہیں جو بندے کو حرام کاموں سے روک دے، مگر جب یہ اس حد سے آگے بڑھ جائے تو پھر یاس وقنوط (ناامیدی) کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔

اور قابل تعریف امید یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالی کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق اس کی اطاعت کرے اور اس سے ثواب کی امید رکھے، یا کوئی گناہ کر بیٹھے تو اسی کی جناب میں توبہ کرے اور مغفرت کی امید رکھے۔

اس سلسلے میں اہل ایمان کی شان بیان کرتے ہوئے اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُواْ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُواْ وَجَاهَدُواْ فِيْ سَبِيْلِ اللّهِ أُوْلَـئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللّهِ وَاللّهُ غَفُورٌ رَّحِيْمٌ﴾ (البقرۃ:۲۱۸) بیشک وہ لوگ جو ایمان لے آئے اور ہجرت کی اور اللہ کے راستے میں جہاد کیا، یہی لوگ رحمت الہی کی امید رکھتے ہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس آیت میں قابل غور پہلو یہ ہے کہ اللہ رب العالمین نے اہل یمان کی امید کو اطاعت وعمل سے مرکب ذکر فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ رجاء الہی (اللہ سے امید) اسی وقت درست اور معتبر ٹھہرے گی جب اسے راضی کرنے والے اعمال اور اسباب کو اختیار کیا جائے، رہے وہ لوگ جو بے محابا گناہ پر گناہ کیے جاتے ہیں اور بغیر عمل کے رحمت الہی کی امید رکھتے ہیں ایسے لوگ فریب اور جھوٹی آرزوؤں میں پڑے ہوئے ہیں، یہ ایسے ہی ہیں جیسے کوئی اپنے کھیت میں بیج بوئے بغیر، جتائی کیے بغیر، سینچائی کیے بغیر یہ امید رکھے کہ اناج اس کے گھر آجائے گا اور محنت کرنے والے انسان کی طرح اسے بھی ثمرات ملیں گے تو جس طرح یہ محال اور عقل سے بعید ہے اسی طرح بلا عمل کے اجر وثواب کی امید بھی فضول ہے۔

ابوعلی روذباری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "الخوف والرجاء كجناحي الطائر إذا استويا استوى الطير وتم طيرانه، وإذا نقص أحدهما وقع فيه النقص وإذا ذهبا صار الطائر في حد الموت" (۱) خوف وامید پرندے کے دو پنکھ کی طرح ہے، جب دونوں درست اور صحیح سالم ہوں تو پرندہ بآسانی فضا میں پرواز کرتا ہے اور جب کسی ایک میں خرابی آجائے تو وہ خطرے میں آجاتا ہے، مگر جب دونوں بازو ختم ہو جائیں تو موت ہی اس کی منزل ہوتی ہے۔ اللہ رب العالمین نے اہل خوف ورجاء (بیک وقت خوف اور امید رکھنے والے) کی مدح کرتے ہوئے فرمایا: ﴿أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاء اللَّيْلِ سَاجِداً وَقَائِماً يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُو رَحْمَةَ رَبِّهِ﴾ (الزمر:۹) بھلا جو شخص راتوں کے اوقات سجدے او رقیام کی حالت میں (عبادت میں) گزارتا ہے، آخرت سے ڈرتا ہو اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہو (اور جو اس کے برعکس ہو برابر ہو سکتے ہیں؟)۔

(۱) شرح العقیدۃ الطحاویۃ، ص:۳۳۰، المکتب الاسلامی، ۱۹۹۶ء۔

نیز فرمایا: ﴿تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفاً وَطَمَعاً﴾ (السجدۃ:۱۶) ان کی کروٹیں ان کے بستروں سے الگ رہتی ہیں اور اپنے رب کو خوف اور امید کے ساتھ پکارتے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ رقم طراز ہیں: ''یعنی اس کی رحمت اور فضل وکرم کی امید بھی رکھتے ہیں اور اس کے عتاب وغضب اور مواخذہ وعذاب سے ڈرتے بھی ہیں، محض امید ہی امید نہیں رکھتے کہ عمل سے بے پرواہ ہو جائیں (جیسے بے عمل اور بدعمل کا شیوہ ہے) اور نہ عذاب کا اتنا خوف طاری کر لیتے ہیں کہ اللہ کی رحمت ہی سے مایوس ہو جائیں کہ یہ مایوسی بھی کفر وضلالت ہے''۔(۱)

اس سلسلے میں ترمذی اور ابن ماجہ میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ایک روایت آتی ہے: "أن النبي ﷺ دخل على شاب وهو في الموت فقال: كيف تجدك؟ قال: أرجو يا رسول الله وأخاف ذنوبي، فقال رسول الله ﷺ: لا يجتمعان في قلب عبد في مثل هذا الموطن، إلا أعطاه الله ما يرجو وآمنه مما يخاف" (ابن ماجہ: کتاب الزھد، باب ذکر الموت والاستعداد لہ، حسنہ الألبانی: ۴۲۶۱)

رسول اکرم ﷺ ایک شخص کے پاس آئے جب کہ اس پر سکرات الموت کی کیفیت طاری تھی، آپ ﷺ نے پوچھا: تو اپنے آپ کو کیسا پاتا ہے؟ اس نے کہا: اللہ سے امید رکھتا ہوں اور اپنے گناہوں کی وجہ سے ڈرتا بھی ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: اس موقع پر جس بندے کے دل میں دونوں باتیں جمع ہو جائیں تو اللہ تعالی اسے وہ چیز عطا کر دیتا ہے جس کی وہ امید رکھتا ہے اور اس چیز سے اسے بچا لیتا ہے جس سے وہ ڈرتا ہے۔ یعنی خوف ایسا ہو کہ اس میں رجاء شامل ہو، ورنہ وہ یاس وقنوط تک پہنچا دے گا اور رجاء ایسا ہو کہ اس میں خوف شامل ہو، ورنہ وہ بے خوفی، ڈھٹائی کہلائے گا۔ عام حالات میں جب انسان اپنے جیسے انسانوں سے ڈرتا ہے تو اس سے دور بھاگتا ہے، سامنا کرنے سے بچتا ہے، مگر جب بندہ اللہ سے ڈرنے لگتا ہے تو بھاگ کر اسی کے پاس آتا ہے، کیوں کہ اسے پتہ ہوتا ہے کہ میرے درد کا مداوا اسی کے پاس ہے اور جب خوف ورجاء کا یہ حسین امتزاج کسی بندے میں پیدا ہو جائے تو وہ اللہ رب العالمین کے سچے بندوں میں شامل ہو جاتا ہے۔

امت میں ضعف وانتشار کا سلسلہ وہیں سے شروع ہوا جب عقائد وایمانیات کے باب میں وہ مختلف خانوں میں بٹ گئی۔ جب ایمان سے عمل کا مکھن نکال دیا گیا اور مجرد تصدیق اس کا نام رکھ دیا گیا اور بدعملوں کے لیے بداعمالیوں کی راہ ہموار کر دی گئی۔ جب انسانوں سے سرزد ہونے والے ہر کبیرہ گناہ پر تکفیر کی گئی اور انھیں نار جہنم کا مستحق گردانا گیا۔ ایک طرف فرقۂ مرجئہ تھا جن کا عقیدہ تھا: "لا يضر مع الإيمان ذنب كما لا ينفع مع الكفر طاعة" مسلمان خواہ کتنا ہی گناہ کر ڈالے اس کے ایمان پر کوئی فرق پڑنے والا نہیں، جس طرح کہ کافر لاکھ نیکیاں کرے اسے کوئی فائدہ ہونے والا نہیں تو دوسری طرف خوارج ومعتزلہ کا فرقہ تھا جو کبیرہ گناہ کے مرتکب کو خارج عن الایمان، اور مخلد فی النار گردانتا تھا۔

(۱) تفسیر احسن البیان، سورہ سجدہ، آیت: ۱۶۔

دراصل اس کی وجہ یہ تھی کہ مرجئہ نے نصوص وعد پر اکتفا کیا جن میں ثواب، رحمت ومغفرت اور جنت کا ذکر تھا اور نصوص وعید سے تغافل برتا جن میں عقاب وعتاب اور مؤاخذہ کا ذکر تھا، اس طرح رجائیت کے شکار ہوکر رہ گئے، اور معتزلہ وخوارج نے نصوص وعید پر اکتفا کیا اور نصوص وعد کو نظر انداز کر دیا، جس کی وجہ سے وہ یاس وقنوطیت کے شکار ہوکر رہ گئے۔

یہ دونوں طرز فکر غلط، جادۂ حق سے منحرف اور اہل سنت کی روش سے ہٹے ہوئے تھے اور اس کے برے اثرات امت پر اس طرح واقع ہوئے کہ آج مسلمانوں کا اکثریتی طبقہ عمل سے عاری امید ہی امید پر جی رہا ہے، حتی کہ اردو زبان کے ایک بلند پایہ شاعر نے رجائیت پسندی کا ثبوت پیش کرتے ہوئے کہا:

اے رحمت تمام مری ہر خطا ہو معاف ترے عفو کی امید میں تھرا کے پی گیا

جب کہ دوسرا شاذ طبقہ تشدد وانتہا پسندی میں اس حد تک چلا گیا کہ اہل قبلہ کی تکفیر، مسلم حکام کے خلاف بغاوت اور مسلمانوں کی خوں ریزی کو اپنا مشن بنالیا۔

مولانا محمد اسماعیل سلفی گوجرانوالہ مسلمانوں کی تشویش ناک صورت حال کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''آج معاشرہ کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ ہم لوگ اہل سنت کہلانے کے باوجود مرجیہ کی طرح زندگی گزار رہے ہیں، اعمال ایمان کا جزو ہوں تو اس سے فی الواقع دنیا کا انداز ہی بدل جاتا ہے، ہمارا تو یہ حال ہے کہ ہم بے عملی اور بدعملی کو ایمان کا جزو سمجھتے ہیں، یورپین تعلیم نے جس طرح زندگی کا دنیا میں آغاز کیا ہے، اس میں بے عملی زندگی کا جزو بن کر رہ گئی ہے۔

اس لیے اگر دنیا میں آپ کو کوئی انقلاب بپا کرنا ہے اور ایک فعال قوم کی طرح زندہ رہنا ہے، تو اس کی بنیاد امام بخاری رحمہ اللہ کے نظریے پر رکھنا ہوگی اور امام بخاری رحمہ اللہ کا یہی نظریہ تھا کہ ایمان عمل کے بغیر ناتمام ہے، توحید اور نبوت کو محض ایک نظریہ کے طور پر تسلیم کرنے سے کوئی مقصد حاصل نہیں ہو سکے گا۔

امام رحمہ اللہ نے کتاب الایمان کے ذیلی ابواب میں جن چیزوں کو ایمان کے اجزاء میں شمار فرمایا، ایک ایک کو زندگی میں پورا کرے، ائمہ حدیث اور جماعت اہل حدیث نے زندگی کے مختلف ادوار میں اسی فریضہ کی دعوت دی ہے۔ دنیا میں کوئی مسلک بھی محض اقوال ونظریات سے زندہ نہیں رہ سکتا، جب تک پوری زندگی کی تعمیر عملاً اس کے مطابق نہ ہو، اسلامی مقاصد کی یہ صحیح ترین تعبیر ہے جس سے سیرت بنتی ہے۔(۱)

آج مسلمانوں کو نجات کے لیے اہل سنت کی راہ عمل منتخب کرنا ہوگا جو خوارج ومعتزلہ کے غلو وافراط اور مرجئہ کی تفریط وتقصیر سے پاک ہے اور ایسی زندگی گزارنا ہوگا جس میں خوف ورجاء، امید وبیم کا ملا جلا اثر ہو تبھی کامیابی کی شاہ کلید ہاتھ آئے گی اور فتح وظفر کے دروازے وا ہوں گے۔

☆☆☆

(۱) مقالات حدیث، ص: ۸۴-۸۵، از: شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ۔

الزام تراشی اسلام کی نظر میں

عبدالسلام صلاح الدین مدنی

اسلام ایک شائستہ اور تمام ادیان سے اعلی و بالا مذہب ہے، اور اسلام کی یہ تعلیم ہے کہ اس کے ماننے والے بھی تہذیب وشائستگی کا مظاہرہ کریں، اور حسن معاشرہ کی تشکیل میں بہترین رول ادا کریں۔

اسلام میں ظلم وستم کبھی روا نہیں رکھا گیا، بلکہ اس کی حرمت وقباحت کو بیان کیا گیا، اور اہل اسلام سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ ہر کہی ہوئی بات پر نہ کان دھرا جائے، نہ ہی اس کو اہمیت دی جائے اور نہ ہی اسے ہوا دی جائے، بلکہ اس کی چھان بین کی تاکید کی گئی، اللہ تعالی نے فرمایا: (**یا أیھا الذین آمنوا إن جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا**) (الحجرات:٦) اے ایمان والو! جب کوئی فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کرلیا کرو۔ ایک دوسری قراءت میں "**فتثبتوا**" ہے۔

اس آیت کریمہ میں ان حضرات کی اللہ نے مذمت بیان فرمائی ہے، جو لوگ کسی بھی خبر کی تصدیق کے بغیر اسے دوسروں تک شیئر کرتے رہتے ہیں، اور اس بات کی قطعی کوئی پرواہ نہیں کرتے، کہ آیا یہ خبر صحیح ہے یا غلط، خاص کر ایسے دور میں جبکہ خبریں منٹوں میں پورے عالم تک پھیل جاتی ہیں، اور بیک وقت پوری دنیا اسے پڑھتی، دیکھتی، اور اسے پھیلاتی رہتی ہے۔

پھر اللہ نے آخر میں (**فتصبحوا علی مافعلتم نادمین**) فرما کر اس امر پر متنبہ فرمادیا کہ یہ انتہائی خطرناک ہے کہ کوئی خبر بغیر تصدیق کے پھیلائی جائے، اور یہ واضح کردیا کہ ہوسکتا ہے تمہیں سبکی کا سامنا کرنا پڑے، جب خبر غلط ثابت ہوجائے۔

اگر علما کا طبقہ بے سروپا خبریں اڑائے، تو اس کی برائی دو چند ہوجاتی ہے۔

ذاتی طور پر کتنی خبروں کے بارے میں میں جانتا ہوں کہ خبر اڑائی گئی، اور جب تحقیق کی گئی تو پتہ چلا کہ اسا سا اس کی کوئی صحت ہی نہیں، اور جب خبر دینے والے سے دلیل مانگی گئی تو ندارد، بغلیں جھانکتے نظر آئے، پھر لوگوں کو شرمندگی، اور ذلت کا سامنا کرنا پڑا۔

حدیث میں جھوٹا اور گنہگار اس آدمی کو قرار دیا گیا، جو ہر سنی سنائی بات کو لوگوں میں نشر کرتا پھرے، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "**كَفَى بِالْمَرْءِ إِثْمًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ**" (**السلسلة الصحيحة** 2025) انسان کے گنہگار ہونے کے

لئے یہی کافی ہے کہ وہ جو کچھ سنے، بیان کرتا پھرے۔

اور ایک حدیث میں یوں اس کی مذمت کی گئی، فرمایا: ''**كفى بالمرء كذبا أن يحدث بكل ما سمع**'' (**رواه مسلم في المقدمة: 6، صحيح الجامع: 4482**) انسان کے جھوٹ کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ جو کچھ سنے، بیان کرتا پھرے۔

مگر ہمارے معاشرے کا حال یہ ہے کہ کہ ہر سنی سنائی بات بغیر کسی تحقیق کے اڑائی جاتی ہے، بے محابہ اسے دوسروں سے شیئر کرلیا جاتا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اصل میں انسان غلط اور صحیح دونوں قسم کی باتیں سنتا ہے، تو جب ایسی باتیں بیان کرے جن کی کوئی حقیقت ہی نہ ہو تو یہ جھوٹ ہوا، چاہے جان بوجھ کر اس کا ارتکاب کرے یا کسی اور طریقہ سے (شرح صحیح مسلم)

نبی اکرم ﷺ نے تو اسے کبیرہ گناہ میں شامل فرمایا ہے: فرمایا: ''**إن الله حرم عليكم عقوق الأمهات ووأد البنات ومنع وهات وكره لكم قيل وقال وكثرة السؤال وإضاعة المال**''۔ (**رواه البخاري: ۲۲۳۱**)

افسوس کی بات تو یہ ہے کہ علمائے کرام کا ایک معتد بہ طبقہ اس میں ملوث ہے۔

وہ یہ بھول جاتا ہے کہ جن پر الزام لگایا جارہا ہے، ہوسکتا ہے وہ اس سے پاک اور بری ہو۔ اس گناہ کی سزا یہ ہے کہ قیامت کے دن اس کے گناہ اس پر ڈال دیے جائیں گے، کبھی حدیث مفلس پر ان حضرات کو غور کرنا چاہئے جس میں اس گناہ کا انجام بیان کیا گیا ہے، حدیث ملاحظہ فرمائیں: ''**أتدرون ما المفلسُ؟" قالوا": المفلس فينا من لا درهم له ولا متاع. فقال:" إن المفلس من أمتي من يأتي يوم القيامة بصلاة وصيام وزكاة، ويأتي وقد شتم هذا، وقذف هذا، وأكل مال هذا، وسفك دم هذا، وضرب هذا، فيعطى هذا من حسناته، وهذا من حسناته , فإن فنيت حسناتهُ قبل أن يقضي ما عليه، أخذ من خطاياهم فطُرحت عليه , ثم طُرح في النار**" .(**رواه مسلم: 347**)

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے پوچھا: کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ ہم میں مفلس وہ ہے جس کے پاس درہم اور مال و دولت کچھ بھی نہ ہو، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت کا مفلس وہ ہوگا جو قیامت کے دن نماز، روزہ، زکاۃ لے کر آئے گا، اس حال میں کہ اس نے اس کو گالی دی ہوگی، اس پر بہتان لگایا ہوگا، اس کا مال کھایا ہوگا، اس کا خون بہایا ہوگا، اسے مارا پیٹا ہوگا، چنانچہ اسے اس کی نیکیاں دے دی جائیں گی، اور اسے اس کی نیکیاں، اس کے حقوق کی

ادائیگی سے قبل اگر اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی، اس (مظلوم) کے گناہ اس پر انڈیل دیئے جائیں گے، پھر اسے واصل جہنم کر دیا جائے گا،، (نعوذ باللہ)۔

اس حدیث پر غور فرمائیں کہ قیامت میں ایسے لوگ خسارے ہی خسارے میں ہوں گے، باوجود یکہ ان کے پاس نماز، روزے، صدقہ وخیرات، اور دیگر اعمال صالحہ کے طومار ہوں گے۔

اس گناہ کا ایک نقصان نہ صرف یہ ہے کہ الزام لگانے والا شخص نہ صرف اپنی نیکیوں سے محروم ہو جائے گا بلکہ اس کی پیٹھ پر ناکردہ گناہوں کا بوجھ بھی ہوگا۔ اس سے بڑا خسارہ اور کیا ہو سکتا ہے؟

شریعت نے الزام تراشی کی انتہائی کڑی سزا مقرر فرمائی ہے، اور اس میں کوئی رعایت نہیں برتی گئی ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''**مَنْ حَالَتْ شَفَاعَتُهُ دُونَ حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللَّهِ فَقَدْ ضَادَّ اللَّهَ، وَمَنْ خَاصَمَ فِي بَاطِلٍ وَهُوَ يَعْلَمُهُ لَمْ يَزَلْ فِي سَخَطِ اللَّهِ حَتَّى يَنْزِعَ [عَنْهُ]، وَمَنْ قَالَ فِي مُؤْمِنٍ مَالَيْسَ فِيهِ أَسْكَنَهُ اللَّهُ رَدْغَةَ الْخَبَالِ حَتَّى يَخْرُجَ مِمَّاقَالَ** .(الصحيحة: 437)

جس نے اللہ کے حدود میں سے کسی حد کو روکنے کی سفارش کی تو گویا اس نے اللہ کی مخالفت کی، اور جو جانتے ہوئے کسی باطل امر کے لئے جھگڑے تو وہ برابر اللہ کی ناراضگی میں رہے گا یہاں تک کہ اس جھگڑے سے دستبردار ہو جائے، اور جس نے کسی مؤمن کے بارے میں کوئی ایسی بات کہی جو اس میں نہیں تھی تو اللہ اس کا ٹھکانہ جہنمیوں میں بنائے گا یہاں تک کہ اپنی کہی ہوئی بات سے توبہ کر لے"۔

اس خبیث مرض کو تو نبی اکرم ﷺ نے سب سے بڑا اور بدترین سود قرار دیا ہے، فرمایا: ''**إن من أربى الربا الاستطالة في عرض المسلم بغير حق**'' (رواه أبو داود: ۴۸۷۶)۔

کیا مسلمانوں کی عزتوں پر حملہ کرنے والوں نے کبھی فکر وتامل کیا کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ اللہ بھلا کرے۔

کل روز قیامت ان بدطینت لوگوں کا بہت برا حال ہوگا، جس کا مشاہدہ خود نبی اکرم ﷺ نے معراج والی رات میں فرمالیا تھا، آپ ﷺ کا گزر کچھ ایسے لوگوں سے ہوا تھا جو اپنے چہرے اور سینے اپنے پیتل کے ناخن سے نوچ رہے تھے، جب پوچھا گیا تو آپ کو بتلایا گیا کہ یہ وہ خبیث لوگ ہیں، جو لوگوں کی عزت وآبرو پر حملہ کرتے تھے۔ (ابوداود: ۴۸۷۸)

آہ کس قدر دردناک منظر ہوگا؟ کبھی غور کیا۔ اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو، اس کے عذاب سے خوف کھاؤ۔

حضرات گرامی! مسلمانوں کی عزت وآبرو قیمتی سرمایہ ہے، اس کی حفاظت ہی اصل مردانگی ہے (جسے ہم بھول بیٹھے

ہیں) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: ''آدمی کی طنطنہ بازی پر خوش نہیں ہونا چاہیے،، کیوں کہ مرد وہ ہے جو امانت ادا کر دیا کرے اور لوگوں کے عزت وآبرو پر حملہ نہ کرے۔ (کتاب الزھد از ابن مبارک)

اسلام میں مسلمانوں کی عزت وآبرو کی حفاظت کا حکم دیا، اور اس پر حملہ سے کلی طور پر منع کیا، اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے خطبۂ حجۃ الوداع میں اسلام کے بیان کردہ دستور میں سے اسے ایک دستور قرار دیا، فرمایا: ''**إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ**'' (بخاری:۱۷۳۹، مسلم:۱۶۷۹) تمہارے خون، تمہارے مال، اور تمہاری عزتیں اسی طرح سے تمہارے اوپر حرام ہیں، جیسے کہ یہ دن، یہ شہر (مکہ) اور یہ ماہ (ذوالحجہ) حرمت والا ہے۔

نیز آپ ﷺ نے فرمایا: ''**كل المسلم على المسلم حرام دمه وعرضه وماله**'' (مسلم: ۲۵۶۴)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر مسلمان کی جان ومال اور عزت وآبرو دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔

امام نووی نے باب قائم کیا ہے: ''**باب تحريم ظلم المسلم وخذله واحتقاره ودمه وماله وعرضه**'' جس سے معلوم ہوتا ہے، کسی کی عزت پر حملہ کرنا نہ صرف گناہ کبیرہ اور حرام ہے، بلکہ یہ ظلم بھی ہے۔

نیز اس امر پر بھی غور کیا جائے کہ الزام تراشی ان سات امور میں سے ایک ہے، جو ہلاک وبرباد کرنے والے ہیں، جن سے بچنے کا تاکیدی حکم دیا گیا ہے، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''**اجتنبوا السبع الموبقات ..... وقذف المحصنات المؤمنات الغافلات**۔ (بخاری: ۲۶۱۵، مسلم: ۱۴۵) سات ہلاک کر دینے والی چیزوں سے بچو، (ان میں سے ایک) پاک دامن مؤمنہ خواتین پر الزام لگانا۔

معلوم ہوا کہ الزام لگانا کوئی آسان اور معمولی جرم نہیں، یہ انسان کو ہلاکت کے گڑھے میں ڈھکیل دیتا ہے، جس سے بچنا انتہائی لازمی ہے۔

✦✦✦

زکاۃ کیا ہے؟

ابوطلحہ محمد ابراہیم سلفی

رمضان کا موقع ہے، بہت سے لوگ زکاۃ نکالنے کے لیے اسی ماہ کا انتخاب کرتے ہیں اور اپنے مال وجائداد کا حساب کرتے ہیں اور یہ بہت خوش آیند بات ہے کہ اہل خیر حضرات کے دلوں میں زکاۃ کی اہمیت اس قدر بیٹھی ہے کہ رتی برابر بھی مال ادھر کا ادھر نہیں کرتے۔ تب بھی مناسب معلوم ہوا کہ اس کے بارے میں چند باتیں آپ حضرات کی خدمت میں تحریر کروں:

زکاۃ عربی زبان کا لفظ ہے، جس کا معنی بڑھوتری، زیادتی اور پاکی کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں اس کا اطلاق ایسے حق کی ادائیگی پر ہوتا ہے جو مخصوص مال میں مخصوص وجہ سے واجب ہوتی ہے اور اس کے واجب ہونے کے لیے حولان حول اور نصاب کا اعتبار ہوتا ہے، چوں کہ زکاۃ کی ادائیگی سے مال میں برکت ہوتی ہے اور پورا مال ہر طرح کی خرابیوں سے پاک وصاف ہوجاتا ہے اس لیے اسے زکاۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

زکاۃ کی فرضیت کس سن میں ہوئی اس کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے، تاہم صحیح بات یہ ہے کہ ہجرت کے بعد ہی زکاۃ کی موجودہ شکل کی فرضیت ثابت ہوتی ہے، بعض لوگوں نے ہجرت سے قبل کی بات بھی کہی ہے لیکن دلائل کی رو سے ان کی بات ناقابل اعتبار ہے۔

جب مال نصاب کو پہنچ جائے تو اس پر زکاۃ واجب ہوجاتی ہے، نصاب کو پہنچ جانے کے بعد بھی اگر کوئی شخص اپنے مال کی زکاۃ ادا نہ کرے تو وہ کنز میں شمار ہوگا اور صاحب مال عذاب آخرت سے دوچار ہوگا، اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿والذين يكنزون الذهب والفضة ولا ينفقونها في سبيل الله، فبشرهم بعذاب أليم﴾ (التوبۃ:۳۴) اور جو لوگ سونے چاندی کا خزانہ رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انھیں دردناک عذاب کی خبر پہنچادیجئے۔

معلوم ہوا کہ جس مال سے زکاۃ ادا نہ کی جائے وہ مال کنز میں شمار ہوگا، لیکن اگر زکاۃ ادا کردی گئی تو وہ مال پاک وصاف ہوجائے گا اور کنز میں اس کا شمار نہ ہوگا جس کے بارے میں آیت مذکورہ میں وعید سنائی گئی ہے۔

زکاۃ اسلام کا ایسا معاشیاتی اور معاشرتی نظام ہے جس سے سماج کا ہر طبقہ مستفید ہوتا ہے، صاحب نصاب اپنے مال کو گندگی وآلودگی سے پاک کرتا ہے اور اجر وثواب سے آخرت کے لیے پونجی اکٹھا کرتا ہے، نیکی کی راہ میں ایک دوسرے سے تقدم حاصل کرتا ہے، اور اپنے مال کا مالک اپنے آپ کو نہیں بلکہ اس رب حقیقی کو تسلیم کرتا ہے جس نے اسے صاحب نصاب بنایا اور اتنی خطیر دولت سے نوازا، زکاۃ کی ادائیگی سے غربت کا خاتمہ، مسکینوں کی دل بستگی اور یتیموں کی غم خواری ہوتی ہے، غریب کے پاس مال آجاتا ہے، مسکینوں کی خانگی حالت درست ہوجاتی ہے اور یتیموں کو بھی جینے کے وسائل فراہم ہوجاتے ہیں۔

زکاۃ اسلام کے ارکان خمسہ میں سے ایک عظیم رکن ہے اور مال نصاب کو پہنچ جانے کے بعد زکاۃ اس پر اس طرح واجب وضروری ہوجاتی ہے جس طرح نماز مکلّف پر سن بلوغ کو پہنچنے کے بعد فرض ہوجاتی ہے، ان دونوں ارکان میں فرق کرنا کسی بھی حد تک صحیح نہیں بلکہ فرضیت کے اعتبار سے دونوں میں یکسانیت ہے، نبی ﷺ کے انتقال کے بعد جب خلافت حضرت ابوبکر نے سنبھالی تو آپ نے اعلان کیا: والله! لأقاتلن من فرق بين الصلاة والزكاة، فإن الزكاة حق المال، والله! لو منعوني عناقا كانوا يؤدونها إلى رسول الله ﷺ لقاتلتهم على منعها". قسم اللہ کی! میں ضرور ان لوگوں سے قتال کروں گا جو نماز اور زکاۃ کے مابین تفریق کرتے ہیں، اس لیے کہ زکاۃ مال کا حق ہے، اللہ کی قسم! اگر وہ لوگ بکری کا ایک بچہ بھی دینے سے انکار کرتے ہیں جسے وہ رسول کے زمانے میں دیا کرتے تھے تو میں ان سے قتال کروں گا، حضرت عمر نے کہا: فوالله ما هو إلا شرح الله صدر أبي بكر فعرفت أنه الحق" واللہ! بالکل یہی مسئلہ ہے، اللہ تعالی نے حضرت ابوبکر کے سینے کو کھول دیا تو مجھے معلوم ہوگیا کہ یہی حق ہے۔ (بخاری، الزکاۃ: ۱۴۰۰)

اس سے واضح ہوگیا کہ اگر مال نصاب کو پہنچ جائے تو نماز کے ساتھ ساتھ زکاۃ کی ادائیگی بھی ضروری ہے۔ اس بات پر حضرت ابن عباس کی وہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے جس میں نبی ﷺ نے حضرت معاذ کو یمن بھیجتے وقت نصیحت کی تھی کہ: "ادعهم إلى شهادة أن لا إله إلا الله، وإني رسول الله، فإن هم أطاعوك لك فأعلمهم ان الله افترض عليهم خمس صلوات في كل يوم وليلة، فإن هم أطاعوا لذلك فأعلمهم ان الله افترض عليهم صدقة في أموالهم تؤخذ من أغنياء هم وترد على فقراء هم. (بخاری، الزکاۃ: ۱۳۹۵)

(اے معاذ!) اہل یمن کو سب سے پہلے کلمۂ شہادت کے اقرار کی دعوت دینا اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں، اگر اسے مان لیں تو انھیں بتانا کہ اللہ تعالی نے دن ورات میں پانچ وقتوں کی نمازیں فرض کی ہے، اگر اسے بھی تسلیم کرلیں تو انھیں بتانا کہ اللہ تعالی نے ان کے مال میں صدقہ (زکاۃ) فرض کیا ہے جو مالداروں سے لے کر غریبوں کو دیا جائے گا۔

مذکورہ حدیث سے دو باتوں کا پتہ چلتا ہے ایک تو یہ کہ صاحب مال پر زکاۃ واجب ہے اور دوسری بات یہ کہ سب سے قبل مال زکاۃ سے اسی علاقے کے لوگ مستفید ہوں گے جہاں زکاۃ وصول کی جائے گی، اور اس میں الاقرب فالاقرب کا لحاظ رکھا جائے گا، اس کی دلیل بخاری کی وہ حدیث ہے جس میں حضرت ابوطلحہ کے باغ اور اس کو صدقہ کرنے کا ذکر ہے، نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: "وإني أرى أن تجعلها في الأقربيين" میری مانو تو اس باغ کو اپنے قریب کے رشتہ داروں کو دے دو۔ چنانچہ حضرت ابوطلحہ نے اسے اپنے اقارب میں تقسیم کردیا۔ (بخاری، الزکاۃ: ۱۴۶۱)

زکاۃ ادا نہ کرنے والوں کا انجام بہت برا ہوگا اور کوئی بھی صاحب نصاب بروز قیامت اس سے اپنے آپ کو بری نہیں کرسکتا۔ نبی ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا: "ما من رجل تكون له إبل أو بقر أو غنم لا يؤدي حقها إلا أتي بها يوم القيامة أعظم ما تكون واسمنه، تطؤه بأخفافها وتنطحه بقرونها، كلما جازت أخراها ردت عليه أولاها حتى يقضى بين الناس" (بخاری، الزکاۃ: ۱۴۶۰) جس آدمی کے پاس بھی گائے، بکری اور اونٹ ہو اور

وہ اس کا حق (زکاۃ) ادا نہ کرے تو بروز قیامت اس سے بھی طاقت ور اور موٹے تازے جانور لائے جائیں گے جو اسے اپنے پیروں سے روندتے ہوئے اور سینگ مارتے ہوئے گزریں گے، جب آخر تک سب گزر جائیں گے تو پہلے والے کو مسلط کر دیا جائے گا اور فیصلہ ہونے تک ایسا ہی ہوتا رہے گا۔

یہی نہیں، بلکہ مانعین زکاۃ کے سلسلے میں متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں، ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: "مانع الزكاة يوم القيامة في النار" (صحیح الجامع: ۱۰۱۱/۲) زکاۃ کا انکار کرنے والے بروز قیامت دوزخ میں جلیں گے۔ اور دوسری بات یہ کہ زکاۃ ادا نہ کرنے پر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالی مال میں کمی کر دیتا ہے جس سے قحط سالی آجاتی ہے اور لوگ بھوک سے مرنے لگتے ہیں، لیکن لوگ حقیقت شناسی سے غافل ہو کر اس قحط سے نپٹنے کے لیے مختلف طریقے اپنانے لگتے ہیں اور اصل حقیقت کی طرف توجہ نہیں دیتے، بھلا بتائیے اگر مرض بخار کا ہو اور دوا دردسر کی تجویز کی جائے تو مریض کی شفایابی کی امید کیسے کی جاسکتی ہے، بلکہ مرض اور بڑھ جائے گا اور مریض کی بے چینی دوگنی ہو جائے گی، اسی طرح قحط کو دور کرنے کی دوا زکاۃ کی ادائیگی ہے لیکن اس کے بجائے ہم دوسرا طریقہ اپنائیں گے تو قحط سالی کہاں سے دور ہوگی؟ ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: "ما منع قوم الزكاة الا ابتلاهم الله بالسنين" (رواہ الطبرانی فی الأوسط: ۴۵۷۷، صحیح الترغیب: ۴۶۷/۱) جو قوم زکاۃ ادا نہیں کرتی، اللہ تعالی ان کو قحط سالی میں مبتلا کر دیتا ہے، دوسری حدیث میں مانعین زکاۃ کو سخت وعید سناتے ہوئے نبی ﷺ نے فرمایا: "من أتاه الله ما لا فلم يؤد زكاته مُثّل له يوم القيامة شجاعا أقرع له زبيبتان، يطوقه يوم القيامة، ثم يأخذ بلهزمتيه يعني شدقيه ثم يقول: أنا مالك أنا كنزك" جس کو اللہ نے مال ومنال سے نوازا لیکن اس نے اس کی زکاۃ ادا نہ کی تو بروز قیامت اس کا یہ مال ایسے گنجے سانپ کی شکل کا بنا دیا جائے گا جس کی آنکھوں پر دو نقطے ہوں گے، وہی سانپ اس کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا پھر یہی سانپ اس کی باچھیں پکڑ کر کہے گا: میں ہی تمہارا مال اور میں ہی تمہارا خزانہ ہوں۔

واقعی انسان بڑا ناشکرا پیدا کیا گیا ہے، وہ سوچتا ہے کہ مال میں سے کچھ حصہ نکال دینے سے اس کے مال میں کمی آجائے گی اور وہ بدحال وخستہ حال ہو جائے گا، پھر اس کی بیوی اس کے بچے کیا کھائیں گے، اس کا گزر بسر کیسے ہوگا اور اس طرح کی بے شمار افکار اس کے گوشۂ دماغ میں پیوست ہو جاتی ہیں، لیکن اللہ تعالی تو رتی برابر بھی بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں تو وہ کیوں کر ایسا کرے گا کہ اس کے مال میں کمی واقع کر دے، ایک ایسی چیز کا حکم دے کر جو بلا مقصد ہو، بلکہ اللہ تعالی تو بے حد وحساب نوازنے والا ہے، اگر وہ اس کے مال کو نصاب تک پہنچانے پر قادر ہے تو وہ اسے چھین بھی سکتا ہے، اسی طرح اس بات پر بھی قادر ہے کہ اگر زکاۃ ادا کر دیا تو اللہ تعالی اس کی وجہ سے اس کے مال کو اور بھی بڑھا دے گا اور درحقیقت بات بھی یہی ہے، جیسا کہ اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿وما آتيتم من ربا ليربوا في أموال الناس فلا يربوا عند الله، وما آتيتم من زكاة تريدون وجه الله، فأولئك هم المضعفون﴾ اور جو تم سود دیتے ہو تا کہ وہ بڑھ جائے تو جان رکھو کہ وہ اللہ کے نزدیک بڑھنے والا نہیں، اور جو تم زکاۃ دیتے ہو اللہ کی رضا جوئی کی خاطر تو یہی لوگ دراصل (ثواب ومال کو) بڑھانے والے ہیں۔

زکاۃ سے مال میں بڑھوتری کے ساتھ ساتھ مال پاک وصاف بھی ہوجاتا ہے، اللہ تعالی نے نبی کومخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ﴿خذ من أموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها﴾ (التوبۃ:۱۰۳)ان کے مال سے صدقہ وصول کیجئے اوران کواس کے ذریعہ سے پاک وصاف کیجئے۔ابوداود:۱۶۶۴ کی حدیث میں نبی ﷺ کے الفاظ ہیں: "إن الله لم يفرض الزكاة إلا ليطيب ما بقي من أموالهم" اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالی نے زکاۃ اسی لیے فرض کیا ہے تاکہ زکاۃ ادا کرنے کے بعد جو مال بچے اسے پاک کردے۔

زکاۃ سے واقعی دل کی تونگری بڑھتی ہے اورغریبوں کی طرف مدد کا ہاتھ بڑھانے سے لذت کا احساس ہوتا ہے، ایسی لذت جس کا اندازہ نہ زکاۃ نکالنے والا کرسکتا ہے اور نہ ہی بتا سکتا ہے، بس محسوس کرسکتا ہے، اورایک بات یہ کہ زکاۃ کی ادائیگی کے بعد گویا وہ انکساری اور کامل تواضع کا پیکر بن جاتا ہے اوراپنے پورے وجود اور مال ودولت کے ڈھیر کواللہ تعالی کوسونپ دیتا ہے اوراندرونی طور پراس بات کا اظہار کرتا ہے کہ اے اللہ! اس مال کا حقیقی مالک تو بس تو ہی ہے، میں تیرا ایک ادنی رکھوالا ہوں جس کوتو نے اس مال کی رکھوالی کے لیے رکھ چھوڑا ہے۔ پتہ چلا کہ زکاۃ کی ادائیگی سے مال کی صفائی کے ساتھ ساتھ دل کی صفائی بھی ہوجاتی ہے اورفرحت وسرور حاصل ہوتا ہے۔

آپ اپنے گھر آنگن کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھیں گھر کی صفائی کرنے اور آنگن میں جھاڑ ولگانے کے بعد در ودیوار میں کس طرح چمک آجاتی ہے اور گھر کا پورا نقش ونگار کس درجہ اپنی جانب آپ کی توجہ مبذول کرنے پر زور دیتا ہے، آپ کواس سے کتنی فرحت ملتی ہے اورطبیعت میں کتنی تراوٹ آجاتی ہے، آپ نہ اس کے بارے میں کسی کوالفاظ دے سکتے ہیں اور نہ ہی حاصل شدہ انبساط کا نقشہ کھینچ کر دکھا سکتے ہیں، البتہ ضرور آپ کی طبیعت بحال ہوجاتی ہے اور کیف وسرور سے آپ جھوم اٹھتے ہیں۔تو اسی طرح زکاۃ ادا کرنے والا اپنے مال کو پاک کرنے کے بعد مسرت کی وادی میں کھو جاتا ہے اورغرباء کا تعاون کرکے خوشی سے پھولے نہیں سماتا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ زکاۃ مال کی پاکیزگی اورطہارت کا ذریعہ ہے، حصول طمانیت قلب کا سبب ہے، غریبوں سے محبت کرنے کی علامت ہے، مسکینوں کی دیکھ بھال کرنے کے جذبے کی طرف اشارہ ہے، یتیموں کی کفالت کی کھوج ہے، اس سے معاشرتی نظام میں انقلاب آتا ہے، معاشیاتی پہلو مضبوط ہوتا ہے، لوگوں میں تواضع وخاکساری آتی ہے، اسلام کا بول بالا ہوتا ہے، غیروں میں رشک وغیرت کی روح پھونکی جاتی ہے، اسلام کی آغوش میں پورے طور پر سماجانے کی رغبت بڑھتی ہے اور اس طرح کی بے شمار چیزوں میں مدد باہم پہنچانے کے لیے زکاۃ جیسی عظیم چیز کواسلام نے اس درجہ اہمیت وفضیلت سے ہمکنار کیا ہے، اللہ تعالی زکاۃ کی اہمیت وحکمت کوسمجھنے کی توفیق دے، آمین۔

☆☆☆

مثبت سوچ

عبدالرحیم محمد یونس بنارسی

اللہ تعالی نے انسان کو آزمائش کے لیے پیدا کیا ہے، دنیا میں انسان کے لیے آزمائش ہی آزمائش ہے اور اخروی زندگی میں ان ہی آزمائشوں کا بدلہ ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿وَنَبْلُوكُم بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً﴾ (الانبیاء: ۳۵) ہم بطریق امتحان تم میں سے ہر ایک کو برائی بھلائی میں مبتلا کرتے ہیں۔

انسان دنیا میں جیتا ہے تو اللہ تعالی کی طرف سے اس پر مختلف قسم کے حالات آتے ہیں، کبھی بیماری کی حالت کبھی معاشی اعتبار سے پریشانیاں، کبھی دشمن کے ناپاک عزائم، اور کبھی کسی وجہ سے پریشانی اور مصیبت میں گرفتار رہتا ہے۔

جب تک انسان کی سانس چل رہی ہے، تب تک اسے مختلف موافق ومخالف حالات کا سامنا کرنا ہے، چاہے مالی اعتبار سے بلندی پر ہی کیوں نہ ہو، عہدے یا سیاسی اعتبار سے یا کسی بھی اعتبار سے وہ بلندی یا عروج پالے تاہم وہ اپنے آپ کو مسائل سے اوپر ہرگز نہیں اٹھا سکتا، ایسا نہیں ہوسکتا کہ اس کی زندگی ابتلاء وآزمائش سے بالکلیہ مبرا ہو، کیوں کہ زندگی ہمیشہ یکساں نہیں ہوتی۔﴿ وتلك الأيام نداولها بين الناس ﴾ (آل عمران: ۱۴۰) ہم ان دنوں کو لوگوں کے درمیان بدلتے رہتے ہیں۔

انبیاء بھی مسائل اور پریشانیوں سے نجات نہ پاسکے بلکہ اپنے عظیم مقام کے اعتبار سے عظیم آزمائشوں میں ڈالے گئے، کیوں کہ اللہ کی طرف سے وہ آدمی زیادہ آزمایا جاتا ہے جو زیادہ دینی پختگی کا حامل ہوتا ہے، یہ مومن کی شان ہے کہ وہ خیر وشر کا سامنا کرنے کے لیے مستعد رہتا ہے، اور "..... وتؤمن بالقدر خيره وشره" (صحیح مسلم: ۹۳) تقدیر کی بھلائی وبرائی پر ایمان کا یہی تقاضہ ہے۔

انسان کی مثال:

انسان کی مثال ایک پیڑ کی طرح ہے جس پر سردی، گرمی اور بارش کے موسم یکساں اثر انداز ہوتے ہیں، آندھی اور طوفان کا بھی سامنا ہوتا ہے، پیڑ کی خوبی یہ ہے کہ وہ ان تمام موسموں میں اپنے آپ کو زمین پر قائم رکھے، وہ طوفان سے نہ ڈرے، موسم کی سختی کا ڈٹ کر مقابلہ کرے۔ یہی پیڑ کی پختگی ہے جو قد سے نہیں بلکہ جڑ سے وابستہ ہے، اسی طرح انسان کا عزم واستقلال بھی یہ چاہتا ہے کہ مصائب کے طوفان میں بھی وہ پسپا نہ ہو اور اپنی جڑوں سے جڑا رہے۔

مثبت افکار:

آدمی کا حوصلہ مند ہونا اس کے مثبت افکار پر منحصر ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿فَأَمَّا الْإِنسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ رَبِّيْ أَكْرَمَنِ، وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَيَقُولُ رَبِّيْ أَهَانَنِ﴾ (الفجر:۱۵،۱۶) انسان کا یہ حال ہے کہ جب اسے اس کا رب آزماتا ہے اور عزت ونعمت دیتا ہے تو وہ کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت دار بنایا اور جب وہ اس کو آزماتا ہے اس کی روزی تنگ کر دیتا ہے تو وہ کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے میری اہانت کی (اور ذلیل کیا)۔ظاہر ہے اپنی منفی سوچ کی وجہ سے وہ صرف خوش حالی کی امید رکھتا ہے۔اسلام ہمیں یہ نہیں سکھلاتا کہ ہم منفی سوچ کے ساتھ زندگی گزاریں، گرچہ مسائل سے گھرے ہوں، کیوں کہ مصائب ومسائل سے انسان کو ہرگز مفر نہیں، وقت کبھی تھمتا نہیں، نشیب وفراز کا سلسلہ جاری رہتا ہے، کس کا سفر ادھورا ہے اور کس کا پورا، وقت کے بہاؤ کو اس سے کوئی سروکار نہیں۔

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے

اس لیے ضروری ہے کہ مثبت سوچ اپنائیں تاکہ فلاح وبہبود کی راہیں وا ہوں اور پوچ خیالات کی بیخ کنی ہو۔مومن کی زندگی اور اس کی سوچ کا ہر پہلو مثبت سمت کا آئینہ دار ہے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: "عجبا لأمر المؤمن إن أمره كله له خير، وليس ذلك لأحد إلا للمؤمن، إن أصابته سراء شكر فكان خيرا له، وإن أصابته، ضراء صبر فكان خيرا له" (صحیح مسلم:۷۵۰۰) مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے، اسے خوشی پہنچتی ہے تو اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور تکلیف پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے، دونوں ہی حالتیں اس کے لیے خیر ہیں۔

ہمارے لیے نبی ﷺ کی سیرت بہترین اسوہ اور نمونہ ہے، نبی کی ساری زندگی تکالیف سے تعبیر ہے، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ مسائل ومصائب کی بھرمار کے باوجود مقاصد کی تکمیل میں آپ کامیاب رہے، قرآن شاہد ہے: ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾ (المائدہ:۳) آج میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کر دیا۔مثبت فکر کے ساتھ مثبت سمت میں منصوبہ بند کوشش اور اللہ کی نصرت ومدد کا شامل حال ہونا دعوت کی کامیابی کا راز ہے، ایسی صورت میں طاقتور سے طاقتور دشمن کے دانت کھٹے ہو جاتے ہیں، یہ اللہ کا اعلان ہے: ﴿يُرِيْدُونَ لِيُطْفِؤُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ﴾ (الصّف:۸) وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچانے والا ہے، گو کافر برا مانیں۔

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

ایک سائیکل سوار کے راستے میں بھی رکاوٹیں آتی ہیں لیکن وہ مسائل سے گھبرا کر پیچھے نہیں ہٹتا، بلکہ منزل تک اپنا سفر

جاری رکھتا ہے اور کامیابی اس کا قدم چومتی ہے، رکاوٹوں کو آپ ختم نہیں کر سکتے لیکن رکاوٹوں کی وجہ سے اپنے سفر کو بھی نہیں ختم کر سکتے بلکہ ان ہی رکاوٹوں کے بیچ سے آپ کو اپنا راستہ تلاش کرنا ہے۔

یہ عشق نہیں آساں اتنا ہی سمجھ لیجے اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

جب انسان سب سے بڑی سچائی کی معرفت حاصل کر لیتا ہے تو دنیا کے بڑے بڑے مصائب کو وہ حقیر سمجھتا ہے، عہد نبوی کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ کس طرح نبی ﷺ، صحابہ کرام کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا گیا، لیکن قبولیت حق کے بعد وہ کبھی پیچھے نہ ہٹے، اس لیے حق کے ساتھ اپنی مثبت سوچ اس طرح وابستہ کر لینا چاہیے کہ پیش آمدہ مسائل کی وجہ سے پائے ثبات میں لغزش نہ آئے، رسول اللہ ﷺ کی یہی تعلیم ہے: "قل آمنت بالله ثم استقم" (مسلم:۱۵۹) کہہ دو! میں اللہ پر ایمان لایا پھر اسی پر جمے رہو۔

مسائل کے سمندر میں غوطہ زن ہونا اور اچھا انسان بن کے نکلنا یہی فکری بالیدگی کی نشانی ہے، آلودہ ذہن مشکلات کے تصور سے ہی ڈھیر ہو جاتا ہے۔ کیا یہ مثبت سوچ کے فقدان کا انجام نہیں کہ دن بدن خودکشی کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے۔

قوموں کی حیات ان کے تخیل پہ ہے موقوف (اقبال)

جو لوگ کمزور ہوتے ہیں وہ منفی خیالات کے تحت انتہائی قدم اٹھا لیتے ہیں، اپنی زندگی کی جنگ ہار جاتے ہیں اور اپنے آپ کو موت کے حوالے کر دیتے ہیں۔

مثبت فکر کے عنوان سے دنیا بھر کے دانشوران کے پیش کردہ خود ساختہ اصولوں سے اسلامی تعلیمات وہدایات نے ہمیں بے نیاز کر دیا ہے۔

اسلام کی نظر میں مصیبت زدہ کا سب سے بڑا سہارا اللہ سے اچھی امید ہے، ایمان والا اپنی طاقت بھر کوشش کے بعد یہ مان لیتا ہے کہ اس کی محنت اللہ کے حکم سے رنگ لائے گی اور یہی مثبت سوچ کامیابی کا زینہ ہے، اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: "إن الله تعالى يقول أنا عند ظن عبدي بي إن خيرا فخير وإن شرا فشر" (صحیح الجامع:۱۹۰۵) اللہ تعالی فرماتا ہے: میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں، اگر وہ اچھی امید رکھتا ہے تو اس کے لیے خیر ہے اور اگر بدگمان ہے تو اس کا برا انجام ہے۔

موسی علیہ السلام نے اللہ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنی قوم سے کہا: ﴿إن معي ربي سيهدين﴾ (الشعراء: ۶۲) میرے ساتھ میرا رب ہے جو مجھے صحیح راستہ دکھلائے گا۔ یہ درحقیقت مثبت سوچ اور کامل یقین کا نبوی درس ہے کہ ایسے

مومن کی ہمت کبھی نہیں ٹوٹتی جو اپنا بھروسہ ایسی ذات پر رکھتا ہے جو ابدی ہے۔ ﴿وتوكل على الحي الذي لا يموت﴾ (الفرقان:۵۸) اے نبی آپ اس ذات پر بھروسہ کریں جو زندہ ہے اور جسے کبھی موت نہیں آنے والی۔

آدمی کی قوت اس کے بھروسے کے بقدر ہوتی ہے، جس کو کمال توکل حاصل ہے وہ اس قدر پر اعتماد ہوگا کہ اس کے لب ولہجہ، افکار وخیالات میں "منفی" نام کی کوئی چیز نظر نہیں آئے گی۔ نبی ﷺ کی زندگی اس کا بہترین نمونہ ہے: "ما ظنك باثنين الله ثالثهما" (بخاری:۴۶۶۳) دشمنوں کے نرغے میں آنے کے بعد بھی نبی نے کہا: اے ابوبکر ان دو کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ ہے۔ قرآن نے اس کا نقشہ یوں کھینچا ہے: ﴿لا تحزن إن الله معنا﴾ (التوبہ:۴۰) غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

اسلام مایوسی کی مذمت کرتا ہے کیوں کہ مایوس آدمی یہ سوچ لیتا ہے کہ اب کچھ نہیں ہوسکتا۔ اور یہ منفی سوچ ہے۔ اللہ کا حکم ہے: ﴿وَلاَ تَيْأَسُواْ مِن رَّوْحِ اللّهِ إِنَّهُ لاَ يَيْأَسُ مِن رَّوْحِ اللّهِ إِلاَّ الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ﴾ (یوسف:۸۷) اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا، یقیناً رب کی رحمت سے مایوس وہی ہوتے ہیں جو کافر ہوتے ہیں۔

اگر کھو گیا اک نشیمن، تو کیا غم مقامات آہ وفغاں اور بھی ہیں (اقبال)

مثبت سوچ کے لیے پختہ عزم اور مضبوط ارادے کی بنیادی اہمیت ہے، اللہ کا فرمان ہے: ﴿فإذا عزمت فتوكل على الله﴾ (آل عمران:۱۵۹) آیت سے واضح ہے کہ جب آدمی عزم مصمم کرلے تو پھر ڈگمگاہٹ کا شکار نہ ہو اور اللہ پر سچا بھروسہ رکھے۔

مثبت فکر کے اعتبار سے یہ فارمولہ ضرور مدنظر رہے کہ مسائل کے ساتھ وسائل بھی ہوتے ہیں، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی بیماری کی جڑ اور اسباب پر تو نظر رکھتا ہے لیکن علاج کو یکسر فراموش کر دیتا ہے، حالانکہ اگر مسائل کا حل مطلوب ہو تو اس کے لیے مثبت سوچ کارآمد ہوگی جس کی طرف قرآن کا اشارہ ہے: ﴿فإن مع العسر يسرا، إن مع العسر يسرا﴾ (الشرح:۵،۶) یاد رکھو ہر تنگی کے ساتھ آسانی ہے، ہر تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "النصر مع الصبر والفرج مع الكرب، وإن مع العسر يسرا" (صحیح الجامع:۶۸۰۶) اللہ کی مدد صبر کے ساتھ ہے اور تکلیف کے ساتھ کشادگی بھی ہے اور یقیناً تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔

مثبت سوچ کے لیے ضروری ہے کہ آدمی حسن تدبیر اور توکل اختیار کرے، دنیا میں دو طرح کے لوگ ناکام ہوتے ہیں: (۱) ایک وہ لوگ جنھوں نے تدبیر کو چھوڑ کر صرف توکل کیا۔ (۲) دوسرے وہ جنھوں نے صرف تدبیر کی، اللہ پر توکل نہ کیا۔

ایک جہالت ہے دوسرا کفر۔ایک صحابی رسول ﷺ کے پاس آئے اور انھوں نے کہا میں اپنے اونٹ کو باندھ کر اللہ پر بھروسہ کروں یا کھلا چھوڑ کر؟ نبی ﷺ نے کہا: "اعقلها وتوكل" (ترمذی: ۲۵۱۷، وصححہ الالبانی) اس کو باندھ کر اللہ پر بھروسہ اور یقین رکھو۔

زندگی میں آنے والی بے شمار رکاوٹوں سے الجھے بغیر حصول مقصد میں ہی غرق رہنا مثبت سوچ کی ضمانت ہے، رکاوٹیں نظر انداز کرنے سے مرجاتی ہیں اور زیادہ اہمیت دینے سے دوچند ہوجاتی ہیں، اللہ کے نبی ﷺ کے بارے میں ایک صحابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ "میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو بازار ذوالمجاز میں دیکھا، آپ لوگوں کے درمیان سے یہ کہتے ہوئے گزر رہے تھے: اے لوگو! لا إله إلا الله کا اقرار کرلو، کامیاب ہوجاؤ گے۔اسی دوران ابوجہل آپ کے سر پر مٹی جھونک رہا تھا اور کہہ رہا تھا: اے لوگو! یہ تم کو تمہارے معبودوں سے پھیر نہ دے، اس کی نیت غلط ہے اور یہ تمہیں لات وعزی سے جدا کرنا چاہتا ہے، صحابی کہتے ہیں کہ اس دوران نبی ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر اپنی دعوت میں لگے رہے، نہ اس سے الجھے اور نہ ہی اس کو زیادہ اہمیت دی۔ (مسند احمد: ۱۶۶۵۴، شعیب الارنؤوط نے اس کی سند کو حسن کہا ہے) معلوم ہوا کہ مثبت سوچ منفی رویوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ہی آگے بڑھتی ہے۔

کبھی کبھی اونچی سوچ رکھنے والا اپنے دشمن کو ہی اپنی ترقی کا آلہ بناتا ہے، کیوں کہ قافلۂ حیات میں دوست کے بھیس میں زیادہ تر دشمن ہی ہوتے ہیں، پھر بھی ہمیں اپنا کام جاری رکھنا ہوتا ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے دشمنوں کو ترقی کا زینہ بنا کر طلوع صبح محشر تک کے لیے ایک روشن مثال قائم کردی، اس کی سب سے بڑی مثال اسیران بدر کو صحابہ کے بچوں کی تعلیم وتربیت کے کام میں لانا ہے۔

اسی چیز کی طرف اللہ نے یوں رہنمائی فرمائی: ﴿وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ﴾ (فصلت: ۳۴) نیکی اور بدی برابر نہیں ہوسکتی، برائی کو بھلائی سے دفع کرو، پھر وہی جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے، ایسا ہوجائے گا جیسے گرم جوش دوست ہوتا ہے۔

اس آیت سے دشمن کے دل کو جیتنے کا حوصلہ ملتا ہے اور ایسے لوگوں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے جو کلمۂ حق کے لیے دشمن کے دل میں جگہ بناتے ہیں۔

جو آدمی کوشش کرتا ہے کامیابی اس کا قدم چومتی ہے اور کبھی بھی آدمی کی محنت رائیگاں نہیں ہوتی، ہاں! کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وقتی طور پر محرومی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ ناکام ہوگیا، حال کی محرومی مستقبل کی حرماں نصیبی

نہیں ہوسکتی، اس ناکامی کو عارضی سمجھ کر مستقبل سے نیک امیدیں وابستہ رکھنی چاہئیں، انسانی ترقی میں اس فکر کو کلیدی حیثیت حاصل ہے، اہل طائف کے انکار وزیادتی پر رسول ﷺ نے اسی بات کا درس دیا اور ان کے نیک مستقبل کی امید ظاہر کی: "بل أرجو أن يخرج الله من أصلابهم من يعبد الله وحده لا يشرك به شيئا" (بخاری:۳۲۳۱) مجھے امید ہے کہ اللہ ان کی آئندہ نسل سے توحید کے پاسدار وعلمبردار پیدا کرے گا۔

لہذا حال کی محرومی سے مایوسی قطعا نہیں ہونی چاہے بلکہ اور لگن کے ساتھ اس مقصد کی طلب میں پرواز جاری رکھنا چاہیے۔

ہر اک مقام سے آگے، مقام ہے تیرا حیات، ذوق سفر کے سوا، کچھ اور نہیں (اقبال)

مثبت افکار کے فروغ کے لیے علمائے حق نے بڑی سنجیدہ کوششیں کی ہیں اور شرعی ماخذ سے مستفاد ہدایات پر روشنی بھی ڈالی ہیں، ان کی نکتہ آفرینیوں کا تذکرہ روح افزا ہوتا، بادل ناخواستہ مذکورہ اہم نکات پر ہی اکتفا کرتے ہیں اور انہیں کی روشنی میں کامیاب زندگی کی شمع روشن کرتے ہیں۔

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

تعلیمی بیداری کے لیے کوشاں ماہر تعلیم مبارک کاپڑی کی ''راہ نما'' تحریر سے ایک اقتباس مثبت فکر کے حوالہ سے ملاحظہ ہو، وہ رقمطراز ہیں: ''آزادی کی ان چھ دہائیوں میں ہمارے نوجوان اقلیت میں ہونے کے احساس تلے دبے رہتے آئے ہیں، وہ امتحانات جن کے پرچے کمپیوٹر کا اسکینر جانچتا ہے اور ابھی تک کمپیوٹر کی ایسی کوئی سافٹ ویئر نہیں بنی ہے جو ہندو اور مسلمان میں تفریق کرے مگر ہمارے طلبہ ان کے نتائج کے تعلق سے بھی مشکوک رہتے ہیں، جبکہ اگر وہ مثبت فکر کو اپناتے ہیں اور ہر بار یہ سوچتے ہیں کہ دوسری قوم کے طلبہ جب کامیابیاں حاصل کر رہے ہیں تو ہم کیوں نہیں.....؟ کامیابی بالکل یقینی ہے۔ (روزنامہ ''انقلاب'' ۶/مارچ ۲۰۱۶ء)

انداز زمانہ کہتا ہے، پھر موج ہوا رخ بدلے گی
انگاروں سے گلشن پھوٹے گا، شبنم سے شرارے نکلیں گے

☆☆☆

مولانا ابوالطیب عبدالصمد حسین آبادی مبارک پوری

حیات وخدمات

(۴-۴)

محمد اسلم مبارک پوری

علمی مقام ومرتبہ:

مولانا نہایت ذی استعداد عالم ومدرس تھے، نیکی وپرہیزگاری کا پیکر، شرافت کا نمونہ اور حلم وصبر کا مجسم تھے۔ ان کی زندگی سلف صالحین کا پرتو معلوم ہوتی تھی۔ کثرت مطالعہ کی وجہ سے بینائی کمزور ہوگئی تھی۔ مگر اخیر عمر تک مطالعہ وتصنیف میں لگے رہے۔ وہ کامیاب مصنف ومؤلف، اچھے مضمون نگار، انشا پرداز اور نقاد تھے۔ مختلف جرائد ومجلّات میں ان کے علمی اور تحقیقی مضامین ومقالات شائع ہوتے تھے۔ جن کو جمع کیا جائے تو ایک اچھی خاصی کتاب بن سکتی ہے۔ مولانا مبارک پور کے کامیاب مصنفین میں شمار کیے جاتے ہیں۔ تصنیف وتالیف کا نہایت اچھا ذوق رکھتے تھے۔ ان کے ذوق تصنیف، اور حدیث ورجال میں دقت نظر، فقہی بصیرت اور فقہ الحدیث کی معرفت کی شہادت کے لیے یہی کافی ہے کہ آپ نے تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی کی تصنیف وتکمیل میں تعاون دیا، اور محدث مبارک پوری کے انتقال کے بعد مقدمہ تحفۃ الاحوذی کی منتشر یادوں اور نامکمل مباحث کے ابواب وفصول کو مولانا نے مکمل کیا۔ اور اس اہم کتاب کو نہایت سلیقہ مندی اور علمی تحقیق وکاوش سے یوں مرتب فرمایا کہ وہ ہر ایک اعتبار سے مکمل ہوگئی۔

آپ کی علمی صلاحیت کا اعتراف شیر پنجاب، فاتح قادیان مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ نے بھی کیا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ مولانا کے گاؤں (حسین آباد) میں عیدگاہ کی تعمیر کا مسئلہ سامنے آیا۔ اہل قریہ نے عیدگاہ کی تعمیر کے لیے قبرستان میں ایک جگہ جو تانے بانے کے لیے مخصوص تھی، منتخب کیا۔ اس بارے میں مولانا امرتسری رحمہ اللہ سے فتوی پوچھا تو انھوں نے لکھا کہ ''میری رائے میں ایسی جگہ عیدگاہ تعمیر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے''۔ خط کے اخیر میں ایک نوٹ لکھا: ''مجھے سمجھ میں نہیں آیا کہ وہاں مولانا عبدالصمد صاحب موجود ہیں، اور مجھ سے کیوں فتوی پوچھا گیا؟ لہٰذا جب تک وہ میری بات کی تصدیق نہ کریں، اس پر عمل نہ کیا جائے''۔ لوگوں نے مولانا سے پوچھا تو آپ نے جواب دیا: ''اگر پورے گاؤں والے اس بات پر متفق ہوجائیں کہ عیدگاہ کی تعمیر وہیں ہوگی تب بھی میں وہاں عیدگاہ کی تعمیر کی مخالفت کروں گا'' چنانچہ عیدگاہ دوسری جگہ تعمیر کی گئی۔(۱)

مولانا کا نظریۂ تعلیم یہ رہا کہ جہاں کہیں آپ نے تعلیمی کام انجام دیا، پوری محنت وتوجہ سے انجام دیا۔ آپ اس سلسلہ

(۱) افادہ از الحاج عبدالرحمٰن صاحب حسین آبادی۔ رحمہ اللہ

میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتے تھے۔الفاظ کی تخریج میں اصل مرجع کی جانب رجوع کرتے۔صحیح بخاری کی گراں قدر شرح ''فتح الباری'' آپ کے پاس تھی،اسے زیر مطالعہ رکھتے۔

مولانا کی توجہ کا اندازہ ان کے شاگردوں اوران کی زیر مطالعہ کتابوں سے چلتا ہے۔ان کی مطالعہ کی ہوئی کتابوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ کہیں حواشی کا اضافہ ہے تو کہیں غلطیوں کی تصحیح ہے،اور کہیں معلومات کا اضافہ ہے،جس سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا کتنی دقیق اور عمیق نظری سے مطالعہ کرتے تھے اور یہی نہیں اس سلسلہ میں اپنے اجلہ اساتذۂ کرام سے مفید مشورے بھی کیا کرتے تھے۔اور آپ کے اساتذہ آپ کو اپنے مفید مشوروں سے نوازتے بھی تھے۔

مولانا عبدالرشید صاحب حسین آبادی رحمہ اللہ تعالی بیان کرتے ہیں:

''جب ہم لوگ اونرھی (دیوریا) میں زیر تعلیم تھے تو مولانا کا یہ معمول تھا کہ نماز عشاء کے بعد جب سونے کے لیے چارپائی پر جاتے تو تمام طلبہ کو بلا کر آموختہ سنتے۔وہاں طلبہ کی تعداد زیادہ نہ تھی۔صرف مولانا ہی تنہا مدرس تھے۔اس وقت نظام تدریس آج کے نظام سے جداگانہ گھنٹیوں میں منقسم نہ تھا۔تمام طلبہ کے ساتھ نہایت شفقت سے پیش آتے تھے۔زجر وتوبیخ نہیں کرتے تھے۔اسی زمانہ میں مولانا نے ''شان حدیث'' تالیف کیا تھا جس کا کچھ مسودہ میرے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے،ایک طرف عربی،دوسری طرف اس کا اردو ترجمہ تھا،عربی تحریر مکمل ہوچکی تھی،مگر ترجمہ کچھ باقی تھا۔اسی اثناء میں رمضان المبارک کی تعطیل ہوگئی۔بچپن کا زمانہ،گھر چلے آئے،پھر معلوم نہیں کہ باقی کس کے ہاتھ سے پایۂ تکمیل کو پہنچا''۔

مولانا میں دور تعلیم ہی سے عالمانہ جوہر نمایاں تھے۔آپ کی ذہانت وفطانت،شرافت ونجابت،بزرگی،تقوی، خداترسی،کردار وعمل کی خوبیوں،اوراحکام شریعت کی پابندیوں سے آپ کے اساتذہ متاثر تھے۔یہی وجہ تھی کہ آپ کے اساتذہ واکابر علماء آپ کے تعلیمی نشیب وفراز سے گہری دل چسپی رکھتے تھے۔آپ کو آپ کے تعلیمی مراحل میں اپنے مفید مشوروں اور تجربات سے نوازتے تھے۔آپ کی بھی سعادت مندی تھی کہ آپ اپنے مستقبل کے متعلق اپنے مشفق اساتذہ سے برابر مشورہ لیتے رہتے تھے۔ چنانچہ پہلے پہل آپ تعلیم حاصل کرنے کے لیے دہلی روانہ ہوئے تو وہاں کے مدارس کی تعلیمی حالت کا جائزہ لے کر اپنے جلیل القدر استاذ حضرت العلام مولانا عبدالرحمٰن صاحب محدث مبارک پوری کو تفصیل سے مطلع کیا اوراس کی روشنی میں مشورہ طلب کیا۔

اسی طرح جب آپ دلی سے سیالکوٹ تشریف لے گئے اور پھر دلی واپس آئے تو مولانا عبدالسلام صاحب محدث مبارک پوری (صاحب سیرۃ البخاری) کے پاس خط لکھا،اور حالات سے مطلع کیا۔

دم واپسیں:

﴿کل نفس ذائقة الموت﴾ ﴿فإذا جاء أجلهم لا يستأخرون ساعة ولا يستقدمون﴾ کے اٹل ربانی فیصلہ کے پیش نظر قدرت کی طرف سے سفر آخرت کی تیاری شروع ہوگئی۔اپریل ۱۹۴۷ء میں مولانا - رحمہ اللہ- بیمار

ہوئے۔اس وقت آپ قرطبۂ ہند جامعہ رحمانیہ دہلی میں مسند تدریس پر فائز تھے۔رخصت لے کر گھر آئے۔آپ کو دق وسل کی بیماری لاحق ہوگئی تھی۔منہ سے خون آتا تھا۔بینائی انتہائی کمزور ہوگئی تھی۔اس وقت بھی شوق مطالعہ کا حال یہ تھا کہ آپ جب تک کچھ پڑھ نہ لیتے اطمینان نہ ہوتا۔ضعف بصارت کی وجہ سے آنکھ سے بالکل قریب کر کے پڑھتے تھے۔

آپ کی وفات ۱۴؍ربیع الاول ۱۳۶۷ھ مطابق ۲۶؍جنوری ۱۹۴۸ء یوم دوشنبہ دس بجے رات میں ہوئی۔﴿إنا لله وإنا إليه راجعون﴾ دوسرے دن حسین آباد کی قبرستان میں دفن کیے گئے۔آپ کے جنازہ میں اہل مئو کثیر تعداد میں شریک ہوئے حتی کہ دفن کے بعد بھی لوگ آتے رہے۔

انتقال کے وقت آپ نے اہل خاندان، احباب واعزہ کو بلایا۔بالخصوص اپنے ساتھی (الحاج) عبدالمجید صاحب (جو مسلک بریلویت سے تعلق رکھتے تھے) کو بلا کر کہا کہ:عبدالمجید کوئی کام ہمارے ساتھ نہیں ہے۔صرف خالی ہاتھ جارہا ہوں، اور انھیں دیر تک نصیحت کی، اور تمسک بالکتاب والسنۃ کی دعوت دی۔آپ اپنے آخری وقت میں لوگوں سے الگ الگ ملتے تھے اور انھیں نصیحت کرتے تھے۔اگر کوئی غیر اسلامی شکل وصورت میں (یعنی داڑھی نہ ہوتی اور بال بڑے ہوتے) تو کہتے: دیکھو! میں اللہ کے یہاں جارہا ہوں، اور تم بھی جاؤ گے۔اس لیے اسلامی شکل وصورت میں اللہ سے ملاقات کرو۔لوگوں پر آپ کی اس نصیحت کا بہت اثر پڑا۔ کتنوں نے اسلامی شکل وصورت اختیار کر لی۔

امتنان وتشکر:

مولانا نے وفات سے پہلے اپنے ہاتھوں سے چند باتیں تحریر فرمائی تھیں جس سے آپ کے تقوی، طہارت، شرافت نفس اور تعلق باللہ کا پتہ چلتا ہے۔آپ نے حکیم محمد بشیر اور حکیم عبدالسمیع (صاحبان) کا شکریہ ادا کرتے ہوئے تحریر فرمایا:''میں جناب مجی حکیم محمد بشیر صاحب اور جناب عبدالسمیع صاحب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے میرے علاج میں کافی توجہ کی اور مفید نسخے تجویز کیے۔کسی نسخہ سے کوئی نقصان نہیں پہنچا لیکن دوا تو مرض کے لیے ہے۔موت کی دوا کسی کے پاس نہیں۔اور ﴿كل نفس ذائقة الموت﴾ کلام صادق ہے۔اللہ تعالی ان دونوں کو دنیا وآخرت کی ترقی عطا فرمائے''۔ عبدالصمد، غفرلہ ۲۴؍صفر ۱۳۶۷ھ

وصیتیں:

امتنان وتشکر کے بعد آپ نے چند وصیتیں تحریر فرمائیں، جو درج ذیل ہیں:

وصیت اول: اگر حالات سازگار ہوں، اور تعمیر مسجد کا کام جاری ہو تو ہمارے کتب خانہ کی کتاب ''فتح الباری'' کامل فروخت کر کے اس کا کل روپیہ تعمیر مسجد پر صرف کیا جائے۔اس میں کوئی ردوبدل نہ کیا جائے۔(۱)

(۱) مولانا عبدالرشید صاحب نے بتایا کہ اس وقت ''فتح الباری'' ۹؍روپے میں فروخت ہوئی تھی۔بنگال کے کسی مولوی صاحب نے خریدا تھا۔

وصیت دوم: بقیہ کتب عربیہ کی پوری حفاظت ہو سکے تو رکھی جائے۔ اور خدا کرے گھر میں کوئی صالح اور سعید ذی علم پیدا ہو تو اس سے منتفع ہو۔ اگر اس کی امید نظر نہ آئے تو حسب مشورہ شیخ الحدیث (۱) عمل درآمد کیا جائے۔ اور کتابوں کی حفاظت کی جو شکل ہو، اختیار کی جائے۔

وصیت سوم: وفات کے بعد تجہیز و تکفین میں جلدی کی جائے۔ اور نماز جنازہ شیخ الحدیث پڑھائیں اور بعد دفن قبر تک دیر تک دعا فرمائیں۔ اور حتی الامکان کوئی بے نمازی کندھا نہ دے۔

وصیت چہارم: میری قبر حتی الوسع جدامجد نور اللہ مرقدہ کی قبر سے قریب کھدائی جائے۔ قبر کی جگہ لوگوں کو غالبا یاد ہوگی۔ اس کی بابت جہاں تک ممکن ہو تحقیق و تفتیش میں سعی کی جائے۔ المرقوم ۱۳ صفر ۱۳۶۷ھ

آپ کی وفات پر اہل علم کے تاثرات تحریری شکل میں دستیاب نہ ہو سکے، البتہ مولانا صفی الرحمٰن صاحب مبارک پوری رحمہ اللہ نے بتایا کہ آپ کی وفات کے بعد اگر میرے اساتذہ میں سے کسی کے سامنے مولانا کا نام آجاتا تو دیر تک تعریف کرتے۔ ایک مرتبہ میرے استاد مولانا محمد اسحاق صاحب جو کھیدو پورہ مئو کے رہنے والے تھے، درس دے رہے تھے، میں نے کہا کہ میری بلوغ المرام پر یہ حاشیہ لکھا ہوا ہے، انھوں نے پوچھا کہ یہ کس کا حاشیہ ہے؟ تو میں نے فرمایا کہ مولانا عبدالصمد صاحب کا۔ اس پر انھوں نے درس بند کر کے بہت دیر تک تعریف کی۔ پھر درس دینا شروع کیا تو پھر بند کر کے بہت دیر تک آپ کی علمی صلاحیت، تقوی و طہارت کی تعریف کی۔ (۲)

طبعی عمر سے کم مدت میں انتقال کر جانے پر قاضی اطہر مبارک پوری لکھتے ہیں:

''افسوس کہ مولانا کی عمر نے وفا نہ کی، ورنہ ہندوستان کے مشاہیر علماء کی صف میں ہوتے۔ اور ان کے علمی و دینی کارناموں کا بڑا فائدہ پہنچتا''۔ (۳) اور یہی تاثر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے بھی تحریر کیا ہے۔

الحمد لله أولا وآخرا، وبنعمته تتم الصالحات.

☆☆☆

(۱) یعنی حضرت الشیخ علامہ عبید اللہ صاحب رحمانی مبارک پوری رحمہ اللہ۔

(۲) مولانا ظہیر الدین صاحب رحمانی (عمر آباد) مولانا کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: مولانا فرشتہ صفت انسان تھے، اللہ والے متقی اور پرہیزگار تھے۔

(۳) تذکرہ علمائے مبارک پور، ص: ۲۶۰

مفتی حرم ڈاکٹر وصی اللہ محمد عباس حفظہ اللہ سے ایک انٹرویو

عبدالالہ رضوان محمد رضوان
فضیلت سال دوم، جامعہ سلفیہ، بنارس

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس میں ۳۰-۳۱/ مارچ ۲۰۱۶ء کو اکابر علماء اور ماہرین تعلیم کی ایک میٹنگ کا انعقاد ہوا جس میں مدارس اسلامیہ کے نصاب میں داخل عقیدہ کی کتابوں کا جائزہ لیا گیا۔ اس میٹنگ میں محترم ڈاکٹر وصی اللہ محمد عباس حفظہ اللہ (مکہ مکرمہ) بھی تشریف لائے تھے۔ موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے راقم نے محترم ڈاکٹر صاحب سے ایک مختصر انٹرویو لیا جو افادۂ عام کے لیے قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔

عبدالالہ: شیخ آپ کا اسم گرامی، نسب نامہ، تاریخ پیدائش اور جائے پیدائش کیا ہے؟

ڈاکٹر صاحب: میرا نام: وصی اللہ، نسب نامہ، وصی اللہ بن محمد عباس خان بن احمد خان، اور آگے کا نسب نامہ ساتویں آٹھویں پشت تک ہمیں یاد نہیں ہے مگر منضبط ہے، الحمدللہ۔ ہماری پیدائش ۱۱/ مارچ ۱۹۴۸ء کو ایک گاؤں پپرا بھوج میں ہوئی جسے ہمارے خاندان کے ایک بھوج بابا نامی شخص نے بسایا تھا۔ پہلے یہ گاؤں ضلع بستی میں پڑتا تھا، اب سدھارتھ نگر میں ہے۔

عبدالالہ: شیخ آپ نے ابتدائی تعلیم کہاں سے شروع کی اور کس عمر میں؟

ڈاکٹر صاحب: الحمدللہ ہمارے دادا گاؤں کے زمین دار تھے، انھوں نے گاؤں میں ایک مسجد بنوائی اور تعلیم کا انتظام کیا، چونکہ ہمارا خاندان پیر خاندان تھا، پیر خاندان کا مطلب ہے کہ لوگوں کو لاکر بساتے تھے پھر ان کو نماز روزہ اور جمعہ جماعت وغیرہ سکھاتے تھے۔ دادا اور خاندان کے دوسرے بااثر حضرات نے خاندان ہی کی ایک بزرگ شخصیت کو مولانا نذیر حسین صاحب دہلوی کے پاس تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیجا، ان کا نام تھا مولانا امراللہ، انھوں نے اور اسی علاقے میں سید نذیر حسین صاحب کے دوسرے شاگرد مولانا عباداللہ (یوسف پور کے) نے ایک تعلیمی مہم چلائی، اسی کے تحت ہمارے گاؤں میں ایک مدرسہ کھلا، اس میں میں نے گھر پر کچھ بنیادی تعلیم حاصل کرنے کے بعد پانچ سال کی عمر میں داخلہ لیا اور تعلیم حاصل کرنا شروع کیا۔ ہمارے پہلے استاذ ہمارے ہی خاندان کے مولانا محمد سلیم تھے، بڑے پیار اور محبت سے پڑھاتے تھے۔ خیر خواہی کا یہ عالم تھا کہ اگر کوئی بچہ غیر حاضر رہتا تو اس کے گھر چلے جاتے اور خبر لیتے کہ کیا بات ہے کیوں غائب ہے وغیرہ وغیرہ، انھوں نے دوسال دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں تعلیم حاصل کی تھی اور جب ہندوستان تقسیم ہوا اور دارالحدیث رحمانیہ ویران ہوگیا تو یہ مولانا عبدالسلام بستوی صاحب کے مدرسہ ریاض العلوم میں داخل ہوئے اور وہیں سے فراغت حاصل کی۔

۱۹۵۹ء میں اپنے گاؤں سے متصل ایک گاؤں یوسف پور کے مدرسہ دارالہدی میں داخل ہوا جس کی بنیاد مولانا امراللہ اور مولانا عباداللہ نے اس مقصد سے رکھی تھی کہ اس کے ذریعہ علاقے میں رائج بدعات وخرافات کا قلع قمع کیا جاسکے اور الحمدللہ اس میں کامیابی ملی اور علاقے کی اکثریت اہل حدیث ہوگئی، میں نے وہاں ۱۹۶۲ء تک چار سال تعلیم حاصل کی۔

عبدالالہ: شیخ جامعہ سلفیہ میں حصول تعلیم کے لیے آپ کی آمد کب اور کیسے ہوئی؟

ڈاکٹر صاحب: مدرسہ دارالہدی میں جب میں مشکاۃ پڑھ رہا تھا اسی سال اخیر میں ایک پروگرام کا انعقاد کیا گیا جس میں بحیثیت مقرر مولانا عبدالرؤف رحمانی اور مولانا عبدالجلیل رحمانی اور بحیثیت مہمان خصوصی مولانا نذیر احمد املوی مدعو تھے۔ پروگرام کے اخیر میں انعامات تقسیم کیے گئے۔ درس میں ہماری پہلی پوزیشن تھی تو میں بھی انعام کے لیے گیا، تو مولانا نذیر احمد املوی نے کہا کہ سب سے چھوٹا اور سب سے اچھا۔

مدرسہ دارالہدی میں ہمارے اساتذہ میں سے مولانا محمد ابراہیم صاحب رحمانی بنارس رحمانیہ سے فارغ تھے۔ مولانا محمد ادریس دیوبند سے پڑھ کر آئے تھے مگر پکے اہل حدیث تھے، مولانا عبدالرحمٰن صاحب رحمانی، رحمانیہ دہلی سے فارغ تھے، اور مولانا جلال الدین موتی پوری صاحب جو کہ مولانا نذیر احمد کے بہت چہیتے تھے، انھوں نے یوسف پور سے مولانا کی روانگی کے وقت کہا تھا کہ شیخ اس بچے کا بھی جامعہ رحمانیہ بنارس میں داخلہ کرادیں، اس پر مولانا نے کہا کہ ابھی بہت چھوٹا ہے، تو مولانا جلال الدین صاحب نے کہا کہ چھوٹا ہے مگر بہت ذہین وفطین ہے، تو مولانا نے مجھ سے کئی سوالات کیے، ان میں سے ایک سوال یہ بھی تھا کہ حدیث میں آیا ہے کہ آخر زمانے میں علم کو اٹھالیا جائے گا تو اس کا کیا معنی ہے، میں نے اس کا بالکل صحیح جواب دیا، تو شیخ اس پر بہت خوش ہوئے اور ہمارے علاقے کے ایک صاحب بنارس پڑھتے تھے ان کا نام تھا صادق علی ان سے کہا کہ جب بنارس آنا تو اس بچے کو لے کر آنا، تب ۱۹۶۲ء میں یہاں (جامعہ رحمانیہ) ہمارا داخلہ ہوا اور ۱۹۶۵ء تک یہیں پڑھتا رہتا، یہاں تک کہ ۱۹۶۶ء میں جامعہ سلفیہ میں تعلیم کا آغاز ہوا۔

عبدالالہ: جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں آپ کا داخلہ کب اور کیسے ہوا؟

ڈاکٹر صاحب: ۱۹۶۶ء میں جامعہ سلفیہ میں تعلیمی افتتاح کے موقع پر شیخ عبدالقادر شیبۃ الحمد اور اس وقت ہندوستان میں سعودی سفیر یوسف فوزان صاحب وغیرہ بھی تشریف لائے تھے، تو شیخ عبدالقادر شیبۃ الحمد نے کہا کہ شیخ ابن باز رحمہ اللہ کی طرف سے چار طالب علموں کو حصول تعلیم کے لیے مدینہ منورہ لے کر جانا ہے، جامعہ کے چار طلبہ کا انتخاب ہوا، شیخ عبدالحمید رحمانی، شیخ عبد السلام مدنی، شیخ عبدالرحمٰن لیثی اور میرا۔ پھر ہم لوگ شیخ عبدالقادر کے ساتھ دسمبر ۱۹۶۶ء میں مدینہ پہنچے، اس وقت تعلیمی سال کے اختتام میں صرف تین ماہ باقی تھا، شیخ عبدالحمید رحمانی، شیخ عبدالسلام اور شیخ عبدالرحمٰن کا داخلہ کلیہ کے پہلے سال میں ہوا، اور ہمارا ثانویہ کے آخری سال میں، جب ایک مہینہ مکمل ہوا تو شیخ عباد نے مجھ سے پوچھا کہ عبدالحمید تم سے کتنا آگے تھے تو میں نے جواب دیا کہ دو سال، تو شیخ نے کہا کہ وہ کلیہ کے پہلے سال میں ہیں اور تم ثانویہ کے آخری سال میں اور تمہاری غیر حاضری بھی بہت ہے، غیر حاضری اس طور سے ہوئی کہ وہاں حاضری سیٹ کے حساب سے ہوتی تھی اور مجھے معلوم نہیں تھا، میری سیٹ

۴۵ ویں نمبر پر تھی، تو میں جب دیکھتا کہ آگے کی سیٹ خالی ہے تو وہاں چلا جاتا تھا، اس لیے شیخ نے مجھے ثانویہ کے دوسرے سال میں داخل کر دیا، یہ چیز تو ہمارے اوپر بہت گراں گزری، کیوں کہ والد صاحب کا کہنا تھا کہ پڑھ کر آنا تو گھر ہی پر رہنا اور کھیتی وغیرہ کرنا اور ساتھ میں دعوت وتبلیغ بھی کرنا، ہمارے ذہن میں بھی یہی بات تھی، لیکن بعد میں یہ چیز "عسی أن تكرهوا شيئا وهو خير لكم" کی سچی تعبیر ہوگئی، کیوں کہ اس کی وجہ سے میں ایک سال پیچھے ہوگیا اور جس سال ہمارا کلیہ مکمل ہوا، اسی سال مکہ میں ماجستر کا شعبہ کھلا، اور جس سال ماجستر مکمل ہوا، اسی سال دکتوراہ کا شعبہ کھلا۔

عبدالالہ: شیخ آپ نے کلیہ کے کس شعبہ میں داخلہ لیا اور پھر کلیہ کے بعد ماجستیر و دکتوراہ میں آپ کا داخلہ کیسے ہوا؟

ڈاکٹر صاحب: میں ''کلیۃ الدعوۃ'' میں داخل ہوا، ماجستیر میں ہمارا داخلہ بڑی قسمت سے ہوا کیوں کہ جس سال ہمارا کلیہ مکمل ہوا اسی سال مکہ ام القری میں ''کلیۃ الشریعۃ والدراسات الاسلامیۃ'' کے تحت ''قسم الدراسات العلیا'' میں ماجستیر کا شعبہ کھلا تو جامعہ اسلامیہ نے اپنے خریجین کو اکٹھا کرنا شروع کیا اور یہ اعلان ہوا کہ ۶/غیر سعودی بچوں کا داخلہ ہوگا، باقی سعودی بچے رہیں گے، تو اس کے لیے ۵۰ سے ۶۰ غیر سعودی طلبہ نے درخواست دی، اس میں ایک میں بھی تھا، تقریری وتحریری ٹیسٹ لیا گیا، اللہ کے فضل وکرم سے ان چھ طلبہ میں سے ایک میں بھی تھا جن کا انتخاب ہوا، اسی دوران شیخ حماد نے بدایۃ المجتہد کی پہلی جلد کی تخریج شروع کی تو میں نے بھی ان کے ساتھ تقریبا آدھی کتاب کی تخریج کی، ایک مرتبہ شیخ مصطفیٰ اعظمی نے طلبہ سے ایک سوال کیا کہ اگر کتابوں کو مطبوعات کے اعتبار سے تلاش کرنا ہو تو کس کتاب سے مدد لینی ہوگی، تو کسی نے جواب نہیں دیا، اخیر میں میں نے کہا معجم المطبوعات العربیۃ لیوسف بن الیان بن موسی سرکیس کی ہے جو کہ ایک لبنانی نصرانی تھا، تو شیخ مصطفیٰ اعظمی نے شیخ علی امین مصری سے مخاطب کر کے کہا کہ والله يا شيخ أهل الهند علماء. جب ماجستیر مکمل ہوا، اس سے ۳/ماہ قبل دکتوراہ کا شعبہ کھلا تو پھر دکتورہ میں میں نے داخلہ لیا، اور اسی وقت میں نے شادی کی، دکتوراہ کے دوران ہی میں نے درخواست دی کہ مجھے مکتبہ میں کوئی کام دیا جائے، اللہ کے فضل وکرم سے ہماری درخواست قبول کی گئی، اس کے بعد میں مکتبہ سے جڑ گیا۔

عبدالالہ: دکتوراہ میں آپ نے کس موضوع پر مقالہ لکھا اور مشرف کون تھے؟

ڈاکٹر صاحب: ماجستیر کے دوران میں نے ارادہ بنا لیا تھا کہ دکتورہ میں کتاب ''فضائل الصحابہ'' کی تحقیق وتخریج کرنی ہے، چوں کہ یہ کتاب کسی کے پاس موجود نہیں تھی، عبدالرحیم صدیق منیٰ کے رہنے والے تھے، مجھے علم تھا کہ ان کے پاس اس کا مسودہ موجود تھا جسے وہ ترکی سے لائے تھے۔

دکتوراہ کے ہمارے مشرف سید صفر مصری تھے، شیخ ربیع بن ہادی مدخلی صاحب کے بھی مشرف یہی تھے۔

عبدالالہ: شیخ بحیثیت استاذ جامعہ ام القری اور مفتی حرم مکی آپ کی تقرری کب اور کیسے ہوئی؟

ڈاکٹر صاحب: ابھی میں دکتوراہ کر ہی رہا تھا کہ ۱۳۹۸ھ میں محمد ناصر راشد شؤون الحرمین کے ذمہ دار بنائے گئے، انھوں نے معہد حرم کی ترقی کی طرف توجہ دی اور ام القری کے مدیر سے کہا کہ مجھے ایک ایسا طالب علم دیجیے جو حدیث، علوم حدیث، تفسیر اور

علوم تفسیر کا درس دے سکے، تو مدیر نے مجھے بلایا اور پوچھا کہ معہد حرم جاؤ گے، ۱۳۰۰/ریال ملے گا، میں خاموش رہا اور کوئی جواب نہیں دیا، دل ہی دل میں میں نے یہ آیت پڑھی: ﴿رب اني لما أنزلت إلي من خير فقير﴾ پھر مجھے معہد حرم بھیج دیا گیا، ۱۳۹۸ھ میں جب جہیمان کا واقعہ پیش آیا، اس وقت ہم لوگ وہیں تھے، پندرہ دن تک ہم نے چھت پر نماز پڑھی، طلبہ گھبرائے ہوئے تھے جب بھی کوئی جہاز گزرتا ان کے اندر مزید خوف پیدا ہوجاتا تو میں نے ان کو دلاسا دلایا اور کہا کہ "سحابة صيف عن قريب تقشع" اسی دوران میں نے ۲۰۰/نصوص کی تخریج کی۔

۱۳۹۸ھ کے اخیر میں یا شاید ذی قعدہ میں ہمارا مقالہ پاس ہوگیا۔ ۱۳۹۹ھ میں دکتوراہ مکمل ہوا، پھر محرم یا ربیع الاول ۱۴۰۱ھ میں حج کے بعد جامعۃ الملک عبدالعزیز جدہ کے تحت ہمارے مقالے کا مناقشہ ہوا۔

جب میں معہد حرم گیا تو محمد ناصر الراشد نے مجھ سے درخواست لکھوائی کہ میں اس کام کو بحسن وخوبی انجام دوں گا اور اپنی تعلیم میں بھی کوتاہی نہیں کروں گا، ۶/سال تک اس معہد میں پڑھاتا رہا، اس وقت شیخ محمد بن عبداللہ السبیل رحمہ اللہ سے اچھا خاصا تعارف ہو چکا تھا، کیوں کہ ۱۴۰۰ھ میں ''مؤتمر الدعوۃ والتعلیم'' میں ان کے ساتھ ہندوستان آیا تھا، اور مصر و نائجیریا بھی گیا تھا، انھوں نے مجھے حرم مکی میں رہنے کا مشورہ دیا، اور ساتھ ہی ساتھ حرم میں عربی میں درس دینے کا بھی موقع دیا، بعد میں شیخ سبیل نے مجھے اپنا ایڈوائزر بنالیا، ۳/سال تک میں اس عہدے پر فائز رہا، پھر ایک قانون بنا کر حرم میں وہی درس دے سکتا ہے جس کے پاس سعودی شہریت ہو، میں تو بہت پریشان ہوا اور شیخ سبیل کے گھر پہنچا اور یہ آیت پڑھی: ﴿فلما أحس عيسى منهم الكفر قال من أنصاري إلى الله﴾ میں نے شیخ سے پوری بات بتائی اور مدد کی درخواست کی۔

چند ہی ایام کے بعد میں گھر پر تھا کہ سبیل صاحب کے بیٹے عمر سبیل کا فون آیا کہ آج پانچ بجے والد صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں، میں تو پریشان ہوگیا کہ کیا مسئلہ ہے، پھر میں پہنچا، تو شیخ نے مجھے قرارداد پکڑائی اور کہا کہ جاؤ درس دو، یہ ۱۴۱۶ھ کا واقعہ ہے، پھر ۱۴۱۹ھ میں میں نے بخاری کا درس دینا شروع کیا جو کہ ماشاءاللہ آج تک جاری ہے۔

عبدالالہ: شیخ سعودی عرب میں آپ نے کن اساتذہ کرام سے تعلیم حاصل کی؟

ڈاکٹر صاحب: وہاں تو میں نے بہت سے اساتذہ سے استفادہ کیا اور ان کے درس میں شامل رہا، جن میں سے چند کا ذکر کررہا ہوں: شیخ حماد انصاری، شیخ مصطفیٰ انصاری، شیخ علی ناصر فقیہی، شیخ حسن الغماری، شیخ علی امین مصری (جو کہ سوریا کے رہنے والے تھے)، شیخ صالح بن حمید، شیخ عبدالرحمٰن، ابوسلیمان، شیخ ربیع بن ہادی مدخلی (ان سے ثانویہ میں شرح العقیدہ الواسطیہ پڑھا تھا) ان کے علاوہ بھی بہت سے اساتذہ سے میں نے حصول علم کیا۔

عبدالالہ: شیخ آپ نے کن علماء سے سند اجازہ حاصل کی ہے؟

ڈاکٹر صاحب: مجھے آج تک افسوس ہے کہ میں صرف چار لوگوں سے سند اجازہ لے سکا: (۱) علامہ شنقیطی رحمہ اللہ (۲) شیخ الحدیث عبیداللہ رحمانی رحمہ اللہ (۳) شیخ عابد حسن رحمانی رحمہ اللہ، ان سے سعودی عرب میں لیا جب حج پر آئے تھے (۴) شیخ محمد بن عبداللہ السبیل رحمہ اللہ، ان سے جب اجازہ طلب کیا تو انھوں نے کہا کہ أجزتك قبل أن تقول. ☆☆

اخبار جامعہ

جامعہ سلفیہ میں شیخ مشعل السعید کی تشریف آوری:

کویت کی ایک باوقار شخصیت شیخ مشعل السعید اپریل کے اوائل میں جامعہ سلفیہ تشریف لائے۔ دوران قیام آپ نے ذمہ داران واساتذہ جامعہ سے ملاقات کی، جامعہ کے شعبہ جات کا معائنہ فرمایا اور طلبہ کو خطاب بھی کیا۔

پروفیسر شفیق احمد خان ندوی جامعہ سلفیہ میں:

شعبۂ عربی، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے سابق پروفیسر شفیق احمد خان ندوی صاحب بروز جمعرات ۱۷/اپریل ۲۰۱۶ء جامعہ سلفیہ تشریف لائے۔ اس موقع پر ایک استقبالیہ پروگرام منعقد کیا گیا جس میں آپ نے عربی زبان میں تعلیم وتعلم کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔ پروگرام کی صدارت جامعہ کے استاذ شیخ عبیداللہ طیب مکی اور نظامت مولانا عبدالرحیم ریاضی نے فرمائی۔

شیخ رفیع احمد مدنی، ڈاکٹر عبدالرحمٰن پریوائی اور ڈاکٹر شریف الدین کی آمد:

جامعہ سلفیہ کے قدیم فارغین شیخ رفیع احمد مدنی صاحب (مقیم آسٹریلیا)، ڈاکٹر عبدالرحمٰن پریوائی صاحب (سعودی عرب) اور ڈاکٹر شریف الدین صاحب (پی جی کالج بانسی) اپریل ۲۰۱۶ء کی مختلف تاریخوں میں اپنے مادر علمی تشریف لائے۔ دوران قیام اساتذہ وطلبہ سے ملاقات کی اور جامعہ کی تازہ کارکردگیوں کا جائزہ لیا اور خوشی واطمینان کا اظہار فرمایا۔

جامعہ سلفیہ میں سالانہ امتحان:

جامعہ سلفیہ کا سالانہ امتحان بروز بدھ ۱۱/مئی ۲۰۱۶ء مطابق ۳/شعبان ۱۴۳۷ھ سے شروع ہوکر ۲۴/مئی ۲۰۱۶ء مطابق ۲۴/مئی ۲۰۱۶ء مطابق ۱۶/شعبان ۱۴۳۷ھ کو ختم ہوا۔ گرمی کی وجہ سے امتحان کا وقت صبح ۷ سے ۱۰ بجے تک تھا۔

یہ امتحان مسجد جامعہ، مسجد کا بالائی حصہ، سیمینار ہال، دارالحدیث ہال، درسگاہ متوسطہ وثانویہ اور مسجد کی زیریں منزل میں منعقد کیا گیا۔

امتحان کی نگرانی کے لیے اساتذہ اور غیر تدریسی عملہ کا چھ گروپ بنایا گیا تھا۔

امتحان میں شریک ہونے والے طلبا کی مجموعی تعداد (۸۶۸) تھی، جس میں ملحق مدارس کے (۲۱۱) شریک تھے۔

جامعہ سلفیہ میں تعطیل:

جامعہ سلفیہ بنارس میں حسب سابق سالانہ تعطیل گرما ورمضان المبارک کا آغاز ۲/جون ۲۰۱۶ء مطابق ۲۵/شعبان ۱۴۳۷ھ بروز جمعرات سے ہوگا اور چھٹی ختم ہونے کے بعد ۱۶/جولائی ۲۰۱۶ء مطابق ۱۰/شوال ۱۴۳۷ھ بروز سنیچر جامعہ میں نیا تعلیمی سال شروع ہوگا، ان شاء اللہ۔

☆☆☆

عالم اسلام

ظل الرحمٰن سلفی رسنٹرل لائبریری

مسجد حرام میں تصویر کشی شرعاً ممنوع:

سعودی عرب کے سرکردہ علمائے کرام نے مسجد حرام میں عبادت کے دوران، طواف کعبہ، سعی اور دیگر مناسک حج کے دوران تصاویر کھنچوانے کو شرعاً حرام وممنوع قرار دیا ہے۔ علمائے کرام کا کہنا ہے کہ لوگوں میں تشہیر کی غرض سے تصویر کشی عبادت میں اخلاص کی نفی کے مترادف ہے۔ علماء کی جانب سے جاری کردہ ایک بیان میں کہا گیا ہے کہ مساجد صرف اللہ کی عبادت کے لیے مختص ہیں، انھیں کسی دنیاوی مقاصد یا تفریحی مشاغل کے لیے استعمال کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ نماز، تلاوت قرآن اور ذکر الٰہی کے سوا کسی دوسرے مقصد کے لیے مساجد کا استعمال شرعاً حرام ہے۔ مسجد حرام میں منعقدہ ایک سیمینار کے بعد جاری کردہ مشترکہ فتوے میں کہا گیا ہے کہ مساجد کا تقدس قائم رکھنا ہر مسلمان کا شرعی فریضہ ہے۔ مساجد میں خرید وفروخت، لین دین کرنا، یا مسجد کو جسمانی ورزش کے لیے استعمال کا بھی کوئی جواز نہیں ہے۔

واضح ہو کہ مسجد حرام میں تصویر کشی ایسے وقت میں حرام قرار دیا گیا ہے جب عمرہ اور حج کے دوران عازمین حج اپنی تصاویر کو سوشل میڈیا پر پوسٹ کرتے رہتے ہیں، جس پر مذہبی حلقوں سے شدید ردعمل سامنے آیا تھا۔ (ساحل آن لائن-۳رمئی ۲۰۱۶ء)

دنیا کے بہترین استاذ کا ایوارڈ:

برطانوی ادارے "Varkey Foundation" کی جانب سے منعقدہ مقابلہ میں فلسطینی معلّمہ حنان الحروب نے ۲۰۱۶ء کے لیے دنیا کے بہترین استاد کا ایوارڈ حاصل کرلیا ہے۔ اس مسابقہ میں دنیا بھر سے تقریباً آٹھ ہزار سے زائد مرد وخواتین اساتذہ نے حصہ لیا تھا۔ مذکورہ معلّمہ کو عالمی بیسٹ ایوارڈ کی رقم دس لاکھ ڈالرز دبئی میں منعقد ایک پروقار تقریب میں عنایت کی گئی۔ تقریب میں بین الاقوامی عرب ممالک کے سرکاری حکام نے بھی شرکت فرمائی۔ حنان الحروب کو انعام سے نوازے جانے کی پروقار تقریب مغربی کنارے کے شہر رملہ میں سیکڑوں فلسطینیوں نے بھی اس کا مشاہدہ کیا۔

لندن میں اولین مسلم نومنتخب میئر:

یہ خبر نہایت باعث صد افتخار ہے، لندن میں پہلی بار کسی مسلم میئر انتخاب میں فتحیابی حاصل کی ہے۔ قابل ذکر ہے کہ ''صادق خان'' کسی بھی مغربی ملک کے دارالحکومت کے پہلے مسلمان میئر ہیں۔

حلف برداری کی تقریب کے بعد اپنی ایک ٹوئٹ میں صادق خان کا کہنا تھا کہ لندن کا میئر بننا ان کے لیے بہت اعزاز کی بات ہے، انھوں نے مزید کہا کہ کبھی تصور بھی نہیں کرسکتے تھے کہ ان جیسا کوئی لندن کا میئر منتخب ہوگا۔ انھوں نے وعدہ کیا کہ وہ تمام لندن والوں کے لیے بہترین میئر ثابت ہوں گے۔ اور خوف وہراس کی سیاست کو اس شہر میں خوش آمدید نہیں کہا جائے گا۔ خاص بات یہ ہے کہ انھوں نے اپنے بیان میں یہ بھی کہا کہ میری فتح مسلمانوں کو سیاست میں داخلہ کی ترغیب دے گی۔ آپ نے مسلمانوں سے اس سلسلے میں اپیل بھی کی ہے۔ (بی بی سی اردو، آن لائن)

☆☆

باب الفتاوی

سوال: سونا اور چاندی یا ان سے بنے ہوئے زیورات کا نصاب اور ان کی شرح زکاۃ کیا ہے؟ روپئے میں زکاۃ کس حساب سے فرض ہوگی؟ کتاب وسنت کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب بعون الله الحميد ومنه التوفيق والتسديد:

احادیث شریفہ میں خالص، غیر ملاوٹی سونا اور چاندی کے نصاب کی نشان دہی ان پیمانوں سے کی گئی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں رائج تھے۔ یعنی چاندی دوسو درہم یا اس کے ہم وزن ہو تو اس پر ایک ہجری سال مکمل گزرنے پر زکاۃ فرض ہوتی ہے، اور سونا سات مثقال ہو تو ایک ہجری سال مکمل گزرنے پر زکاۃ فرض ہو جاتی ہے۔ چونکہ قدیم زمانہ میں ہمارے ملک میں تولہ اور ماشہ کا حساب رائج تھا اس لیے علماء نے درہم اور مثقال کی تعیین تولہ اور ماشہ سے کی۔ اس کا حساب یہ ہے کہ دوسو درہم ساڑھے باون تولہ کے مساوی ہے، اور بیس مثقال ساڑھے سات تولہ کے۔ اب اس زمانہ میں ہمارے ملک میں گرام اور کلوگرام کا پیمانہ رائج ہوا ہے لہذا آسانی اسی میں ہے کہ اس کے حساب سے وزن بتایا جائے، مگر بعض لوگوں نے غلط فہمی یا مقامی غلط اصطلاحات کی بنا پر سخت پیچیدگی پیدا کردی اس لیے یہ وضاحت ضروری ہے کہ تولہ سے مراد سرکاری تولہ ہے، کسی مقامی طور پر رائج تولہ مراد نہیں ہے۔ سرکاری تولہ کا وزن ۱۲ ماشہ ہے جو موجودہ پیمانہ سے ۱۴ گرام ہوتا ہے۔ لہذا بیس دینار سونے کا نصاب ۱۰۵ گرام ہوا۔ یعنی کسی کے پاس سونا سال بھر تک ہو تو اس پر زکاۃ کی ادائیگی فرض ہے۔ سونے کی شرح زکاۃ چالیسواں حصہ (یعنی اڑھائی فیصد) ہے۔

اسی طرح پانچ اوقیہ یا دوسو درہم چاندی کا نصاب ۵۹۵ گرام ہوا یعنی کسی کے پاس ۵۹۵ گرام چاندی ہو اور سال بھر گزر جائے تو اس میں چالیسواں حصہ (یعنی اڑھائی فیصد) زکاۃ فرض ہوگی۔ دلائل درج ذیل ہیں:

۱- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیح روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لا زكاة فى مال حتى يحول عليها الحول'' (سنن ابن ماجہ: ۱۷۹۳، سنن دارقطنی: ۱۸۷۲) کسی مال میں اس وقت تک زکاۃ نہیں ہوگی جب تک کہ اس پر ایک سال گزر نہ جائے۔ اس مفہوم کی ایک روایت حضرت علی اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے جس کی تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیں: ارواء الغلیل (۷۸۷)

۲- علی رضی اللہ عنہ کی صحیح روایت میں ہے: ''فإذا كانت لك مائتا درهم وحال عليها الحول ففيها خمسة دراهم، وليس عليك شيء يعني فى الذهب، حتى تكون لك عشرون ديناراً فإذا كانت لك عشرون دينارا وحال عليها الحول ففيها نصف دينار'' (سنن ابی داود: ۱۵۷۳) جب تیرے پاس (چاندی کے) دوسو درہم ہوں اور ان پر ایک (ہجری) سال گزر جائے تو ان پر پانچ درہم (زکاۃ) ہیں اور سونے میں تجھ پر کچھ (واجب) نہیں جب تک کہ بیس

دینار نہ ہوں اور جب بیس دینار ہوں اور سال گزر جائے تو ان پر آدھا دینار (زکاۃ) ہے۔

۳- حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت میں ہیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیشک میں نے گھوڑے اور غلام سے زکاۃ معاف کر دی ہے۔ ایک سو ننانوے درہموں میں کوئی زکاۃ نہیں ہے "فإذا بلغت مائتين ففيها خمسة دراهم" جب دوسو درہم ہو جائیں تو ان میں پانچ درہم زکاۃ ہے۔ پس تم چاندی کی زکاۃ ہر چالیس درہم میں ایک درہم ادا کرو۔ (سنن ترمذی: ۶۲۰، سنن ابی داود: ۱۵۷۴، شواہد کی وجہ سے یہ روایت صحیح ہے)

۴- انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب ان کو بحرین کی طرف روانہ کیا تو انہیں ایک تحریر دی تھی اس میں درج ہے کہ چاندی میں چالیسواں حصہ زکاۃ ہے۔ (موطا مالک ۱/۲۴۴' یہ روایت حسن ہے)

اگر سونا اور چاندی مذکورہ نصاب سے کم ہے تو دونوں میں واجبی زکاۃ نہیں ہے' الا یہ کہ خوشی سے نفلی صدقہ کریں تو وہ ان کی مرضی پر ہے۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: " ليس فيما دون خمسة أواق صدق " (بخاری: ۱۴۴۷) پانچ اوقیہ سے کم چاندی میں زکاۃ نہیں ہے۔

سونے اور چاندی سے بنے ہوئے زیورات میں زکاۃ کے بارے میں علمائے کرام میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے' لیکن راجح قول یہ ہے کہ زیورات میں زکاۃ ہے۔ اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

۱- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حسن روایت میں ہے: " أن امرأة أتت النبی ﷺ ومعها ابنة لها، وفی يد ابنتها مسكتان من ذهب، فقال لها أتعطين زكاة هذا؟ قالت: لا، أيسرك ان يسورك الله بسوارين من نار فألقتهما " (سنن ابی داود: ۱۵۶۳، سنن ترمذی: ۶۳۷، نسائی: ۲۴۸۱، مسند احمد: ۲/ ۱۷۸) یعنی ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اس کے ساتھ اس کی لڑکی بھی تھی۔ لڑکی کے ہاتھ میں سونے کے کنگن تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ کیا تم اس کی زکاۃ دیتی ہو؟ اس نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: کیا تمہیں یہ پسند آتا ہے کہ اللہ تمہیں آگ کے کنگن پہنائے؟ یہ سن کر اس عورت نے دونوں کنگن اتار پھینکے۔

۲- حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے حسن حدیث میں مروی ہے کہ انہوں نے سونے کا زیور پہن رکھا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول: کیا یہ کنز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " إذا اديت فليس بكنز " اگر تم اس کی زکاۃ دیتی ہو تو کنز نہیں ہے۔ (سنن ابی داود: ۱۵۶۴، سنن دار قطنی: ۱۹۳۳)

۳- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے چاندی کے چھلے پہن رکھے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " أتؤدين زكاة هذا " (سنن ابی داود: ۱۵۶۵، سنن دار قطنی: ۱۹۳۴، یہ حدیث صحیح ہے۔ دار قطنی اور عبدالحق اشبیلی کا اس کے ایک راوی محمد بن عطاء کو مجہول کہنا مبنی بر انصاف نہیں ہے) کیا تم اس کی زکاۃ ادا کرتی ہو؟ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انکار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو پھر جہنم کی آگ میں سے تمہارے لیے یہی کافی ہے۔

ان تینوں روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ زیور بقدر نصاب ہو تو اس پر بھی زکاۃ فرض ہے۔ چنانچہ امیر صنعانی لکھتے ہیں: یہ حدیث زیورات میں زکاۃ کے وجوب کی صریح دلیل ہے۔ بعض علماء سلف نے بعض آثار کی بنیاد پر عدم وجوب کی بات کہی ہے لیکن حدیث کی صحت کے بعد اثر کی کوئی وقعت نہیں۔ (دیکھیں: سبل السلام: ۲/۵۳۳)

علامہ محمد عبدالرحمٰن محدث مبارک پوری، سماحۃ الشیخ ابن باز، شیخ الحدیث مبارک پوری اور دیگر اجلہ علماء اہل حدیث -رحمہم اللہ- نے زکاۃ کے وجوب کو برحق کہا ہے۔ (تحفۃ الاحوذی: ۳/ ۳۲۷، فتاوی اسلامیہ: ۲/۵۳)

اگر یہ زیورات شوہر کی ملکیت سمجھے جاتے ہوں تو ان کی زکاۃ شوہر کے ذمہ ہوگی اور اگر بیوی کی ملکیت سمجھے جاتے ہوں تو ان کی زکاۃ بیوی کے ذمہ ہوگی۔ ان زیورات کی زکاۃ بشرط نصاب ہر سال دینی ضروری ہے۔ ان زیورات میں ملاوٹ اگر برائے نام ہے تو اس کا اعتبار نہیں۔ زیور بقدر نصاب ہوگا تو اس میں زکاۃ فرض ہو جائے گی، اور اگر ملاوٹ زیادہ اور کافی مقدار میں ہے تو خالص زیور اور ملاوٹ کا صحیح اندازہ کریں اگر اس اندازہ اور حساب کے بعد زیور کی اصلی چاندی یا سونا نصاب کو پہنچ جائے تو اس میں زکاۃ ہوگی ورنہ نہیں۔ (محلی ابن حزم: ۶/ ۸۰، فتاوی شیخ الحدیث: ۲/ ۳۶-۳۷)

روپئے پیسے کے نصاب کے سلسلہ میں بعض لوگوں نے سخت پیچیدگی پیدا کی ہے اور محض اس بنا پر کہ روپیے کی ضمانت سونے سے دی گئی ہے، یہ فتوی صادر کر دیا ہے کہ جب ساڑھے سات تولہ سونے کی قیمت کے برابر روپیے ہو جائیں تبھی زکاۃ فرض ہوگی۔ اس سے پہلے نہیں۔ لیکن واضح رہے کہ یہ فتوی یقینی طور پر غلط ہے اس لیے کہ روپئے کے نوٹ سونے کے روپئے کے بدلے نہیں، چاندی کے روپئے کے بدلے رائج ہوئے ہیں۔ ہمارے ملک میں کبھی سونے کا کوئی ایسا سکہ جاری نہیں ہوا جس کا نام روپیہ رہا ہو، بلکہ روپیہ کے نام کا جو سکہ رائج تھا وہ چاندی کا ہوتا تھا۔ اب اسی کے بدلے کاغذ کے نوٹ جاری ہوئے ہیں تو ظاہر ہے کہ کہ نوٹ چاندی کا بدل ہیں، سونے کا نہیں، اس لیے جب کسی کے پاس پانچ اوقیہ یا دوسو درہم یا ساڑھے باون تولہ یعنی ۶۳۵ گرام چاندی کی قیمت کے برابر روپئے ہوں تو اس پر زکاۃ کی ادائیگی ایک ہجری سال مکمل گزرنے کے بعد چاندی کی شرح زکاۃ کے حساب سے فرض ہو جائے گی۔ سونا اور چاندی کو زکاۃ میں اس طرح جمع کرنا (کہ دونوں کو ملا کر ایک نصاب مکمل کر لیا جائے) جائز نہیں ہے۔

دار الإفتاء
جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس

☆☆☆